Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ فہمِ دین

جلد 15 / شمارہ 6 / جنوری 2026

تعلیم کا بنیادی مقصد
کردار سازی

مقصدِ زندگی

جمالِ حجاب

رَمضان کی تیاری

روح کی مرمّت

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM

BAITUSSALAM TECH PARK

BAITUSSALAM
—TECH PARK—

بیت السلام ٹیک پارک

فری آئی ٹی کورسز

FREE IT COURSES

WHATSAPP: **+92 333 0189367**

EMAIL: **techpark@baitussalam.org** WEBSITE: **baitussalam.org/tech-park**

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

جنوری 2026ء | رجب / شعبان 1447ھ

فہم و فکر

عنوان	مصنف	صفحہ
رمضان کی تیاری	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

عنوان	مصنف	صفحہ
فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

عنوان	مصنف	صفحہ
کردار سازی	عذرا خالد	10
سردی اور احتیاط	حفصہ سلطان	11
مکالمہ	حفصہ فیصل	12
جمالِ حجاب	اُمِّ تسلیم	14
روح کی مرمت	ریانور رضوان	15
مالٹا اور موسمی	حکیم شمیم احمد	18
صراطِ مستقیم	دانیال حسن	19

خواتینِ اسلام

عنوان	مصنف	صفحہ
اب میں ماں ہوں	ثانیہ ساجد	21
مذاق	ملائکہ سلیمان	23
احساسِ محرومی	زوجہ عبد الرحمن	25
سنت رسول کا سانچا	ام ایشاع	26
قدرت کا شاہکار	نابیہ شعیب	28
کشمیر کہانی	بنت مسعود	29

باغچہ اطفال

عنوان	مصنف	صفحہ
دوسری بار	ساجدہ بتول	32
بھوت کا بچہ اور انسان	میر جواد	34
گوری اور بھورا	ام محمد مصطفیٰ	35
نیا سال	ڈاکٹر قدسیہ	36
جادوئی غبارہ	ماریہ جبران	36
بچوں کے فن پارے		40
سبق مل گیا	امان اللہ	37
شہد کی مکھی	بنت مسعود	37
خدمت	ماہم تنویس	38
تلو موچی	ڈاکٹر الماس روحی	39
سوچ تبدیل کریں	مریم رضوان	39
انعامات ہی انعامات		41

بزمِ ادب

عنوان	مصنف	صفحہ
کل نفس ذائقۃ الموت	حافظہ وسطیٰ چودھری	42
اے پیارے جامعہ!!	حافظہ سویرا چودھری	43
قلم پارے	ترتیب: محمود سیماب	44

اخبار السلام

عنوان	مصنف	صفحہ
اخبار السلام	ادارہ	50

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر: قارِی عبدُ الرحمٰن
نظرِ ثانی: طارق محمود
تزئین و آرائش: فیضان الحق شمسی

آراء و تجاویز کے لیے
+92 335 1135011

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

26-C گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقامِ اشاعت: دفتر فہمِ دین

مدیر کے قلم سے

رمضان کی تیاری

رجب کا مہینہ شروع ہو گیا ہے اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی رجب کا چاند نظر آتے ہی احباب نے سوشل میڈیا پر ایک دعا اور اس کا مفہوم شائع کیا:

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَ بَلِّغْنَا رَمَضَانَ اے اللہ ! رجب اور شعبان میں ہمیں برکت عطا فرما اور ہمیں رَمَضان تک پہنچا اور اس بات کو بھی خوب اہتمام سے شائع و نشر کیا جاتا ہے کہ رجب اور شعبان میں رَمَضان کی تیاری کرنی چاہیے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ تیاری کیا ہوتی ہے، کیسی ہوتی ہے اور اس کا اہتمام کیسے کرنا چاہیے اور اپنی زندگی کے معمولات میں اس تیاری کو ہم کتنا شامل کرتے ہیں۔ آج کی نشست میں اس پر کچھ بات کر لیتے ہیں۔

کئی گھروں میں جھاڑ پونچھ کا کام کیا جاتا ہے۔ گھروں کے پردے، بستروں کی چادریں خوب دھوئی جاتی ہیں۔ دیواروں پر لگے جالے صاف کیے جاتے ہیں، باورچی خانے کی خوب صفائی ہوتی ہے، مسالا جات کے ڈبوں کو اچھی طرح صاف کیا جاتا ہے۔ اسی طرح خواتین رَمَضان کے لیے پکوانوں کی فہرست بنانے لگتی ہیں۔ سحری اور افطاری میں کیا کچھ بننا چاہیے اس پر غور کرتی ہیں اور ترکیبیں جمع کرنے لگتی ہیں۔ رَمَضان سے کافی دن پہلے ہی رَمَضان کا سارا راشن منگوا لیا جاتا ہے۔ مساجد کی دریاں، قالین اور چاندنیاں صاف کی جاتی ہیں اور ان کی دُھلائی ہوتی ہے۔ مسجد کے در و دیوار کی صفائی کے ساتھ ساتھ روشنیاں زیادہ ہونے کے لیے اضافی بلب وغیرہ لگوائے جاتے ہیں۔

یہ سب بھی بلاشبہ رَمَضان کی تیاری میں ہی شامل ہے، اسی لیے یہ ہوتا ہے اور کرنا بھی چاہیے، لیکن کیا یہ تیاری کافی ہے۔ رَمَضان میں سونے جاگنے کھانے پینے کے اوقات تبدیل ہو جاتے ہیں۔ گئے گزرے شخص کی بھی کوشش ہوتی ہے کہ عبادات میں زیادہ وقت لگایا جائے، تلاوت زیادہ ہو، نوافل بھی زیادہ ہوں، تہجد کی نیت بھی ہوتی ہے اور خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنھیں رات کی عبادت نصیب ہوتی ہے۔ تسبیحات کا بھی اہتمام ہوتا ہے، لیکن 11 مہینے غفلت میں گزرنے کے بعد رَمَضان کے پہلے ہفتے میں جوش وجذبہ عروج پر ہونے کے باوجود نیکی و عبادات کے معمولات میں اضافے کی کوشش زیادہ کامیاب نہیں ہو پاتی ! سحری میں جاگنا مشکل ہوتا ہے۔ تراویح میں شمولیت شوق اور جذبے کی بنیاد پر ہو تو جاتی ہے، لیکن طبیعت پر بار ہونے لگتا ہے اور بہت سے لوگ چند رکعتوں پر ہی اکتفا کر کے بستر پہ پہنچ جاتے ہیں۔ کئی لوگ رَمَضان میں بھی خرافات نہیں چھوڑ پاتے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کی تیاری اور مشق نہیں ہوتی۔

رَمَضان کی تیاری کے لیے رجب اور شعبان بہت مناسب موقع ہے۔ ہم کھانے پینے میں کچھ کمی کرنا شروع کر دیں، کچھ اعتدال لے آئیں، وقت بے وقت کھانا چھوڑ سکتے ہیں اور روزوں کا اہتمام ہو سکے تو سبحان اللہ ! رات کے آخری پہر جاگنا شروع کر دیں، فجر سے پہلے تہجد کی نیت سے چار چھ رکعت پڑھ لیں، کچھ دیر اللہ اللہ کر لیں، فرض نماز باجماعت کا اہتمام شروع کر دیں، نوافل کا بھی کچھ معمول بنالیں، تلاوتِ قرآن کا اہتمام شروع کر دیں، ناشتا صبح جلدی کرنے کی عادت بنالیں، رات کا کھانا جلدی کھانے کی کوشش کریں، دوپہر میں کھانا ضروری سمجھتے ہوں تو مقدار میں کمی کر دیں، عشاء کی نماز کے بعد کچھ رکعتیں نوافل پڑھ لیں، ذکر و استغفار، درود شریف کی کچھ تسبیحات کا اہتمام کر لیں اور دعاؤں میں اضافہ کریں۔ یہ سب کرنے سے معلوم ہو گا کہ رَمَضان کی تیاری کا مفہوم اور مطلب کیا ہے اور اس میں کتنا مزہ آتا ہے۔ رَمَضان شروع ہونے پر کسی بھی قسم کی دقّت نہیں ہو گی اور سارے نیک معمولات میں اضافہ خود بخود ہوتا چلا جائے گا۔

باقی کھانے پینے کا سامان لانا، افطاری کے پکوانوں کی فہرست بنانا اور اس کی تراکیب تلاش و جمع کرنا نہ تو ایسا بُرا ہے کہ اسے چھوڑنے کی تلقین کی جائے اور نہ ہی ایسا ضروری ہے کہ اس میں وقت اور دماغ خرچ کیا ہی جائے۔ اعتدال کے ساتھ حلال کھانوں کا اہتمام کرنے میں حرج نہیں، لیکن سارا زور کھانے پینے پر ہی ہو اور اِسی کو رَمَضان کی تیاری سمجھ لیا جائے، یہ رجحان بہر حال تبدیل ہونا چاہیے۔ صفائی ستھرائی اچھی بات ہے اور رَمَضان سے پہلے استقبالِ رمضان کے لیے اسے کر لینا چاہیے، لیکن ظاہری صفائی ستھرائی سے زیادہ روح کی صفائی اور رگڑائی کی طرف توجہ ہونی چاہیے۔ دل پہ لگا زنگ اتارنے کے لیے اِستغفار کی کثرت ہو، نورانیت حاصل کرنے کے لیے درود شریف کی کثرت ہو، گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہو، سوشل میڈیا پہ لگے رہنے سے اجتناب ہو، نظروں کی حفاظت کا بتکلّف خیال ہو۔ اگر کسی کو فضول گوئی یا گالم گلوچ کی عادت ہے تو اس کو چھوڑنے کی کوشش کی جائے۔

صدقہ و خیرات کا اہتمام

رَمَضان کی تیاری میں یہ بھی شامل ہے کہ اپنے مال کا کچھ حصہ نکال کر ایسے لوگوں کو دینے کا اہتمام ہو جو رَمَضان میں اچھا کھانے پینے کی طاقت نہیں رکھتے، بعض لوگ رمضان سے پہلے ہی عید کی تیاری بھی کر لیتے ہیں کہ رَمَضان میں بازار نہ جانا پڑے اور غفلت سے بچے رہیں، یہ بھی بہت اچھا کام ہے، اسے بھی رَمَضان کی تیاری کہہ سکتے ہیں۔ اگر مالی گنجائش ہو تو یہ کام پہلے کر لینا چاہیے، لیکن اپنے ساتھ ساتھ اُن ضرورت مندوں کا خیال اور لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، جو وسعت نہیں رکھتے۔ خاص طور پر اپنے عزیزوں رشتے داروں اور پڑوسیوں میں ایسے گھرانے اور افراد دیکھنے چاہییں، جنھیں مالی وسعت نہیں، پھر اسی طرح درجہ بدرجہ اپنی گنجائش اور وسعت دیکھتے ہوئے بتدریج صدقات و خیرات کا دائرہ وسیع کرتے چلے جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ صحیح معنٰی میں رَمَضان کی تیاری کا اہتمام کرنے کی توفیق ہو، دکھاوے اور ریاکاری سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین !

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

الانعام 118-120

فہمِ قرآن

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ 118

ترجمہ: چناں چہ ہر اُس (حلال) جانور میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اگر تم واقعی اُس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو۔ 118

تشریح نمبر 1: پیچھے اُن لوگوں کا ذکر تھا جو محض خیالی اندازوں پر اپنے دین کی بنیاد رکھے ہوئے ہیں۔ اُن کی اس گم راہی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے، اُس کو یہ حرام کہتے تھے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کہا ہے، اُسے یہ حلال سمجھتے تھے۔ چناں چہ ایک مرتبہ کچھ کافروں نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا کہ جس جانور کو اللہ تعالیٰ قتل کرے، یعنی وہ اپنی طبعی موت مر جائے، اُس کو تو تم مردار قرار دے کر حرام سمجھتے ہو اور جس جانور کو تم خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے ہو، اُس کو حلال قرار دیتے ہو۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حلال وحرام کا فیصلہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ اُس نے واضح فرمادیا ہے کہ جس جانور پر اللہ کا نام لے کر اسے ذبح کیا جائے وہ حلال ہوتا ہے اور جو ذبح کیے بغیر مر جائے یا جسے ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو، وہ حرام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے بعد اپنے من گھڑت خیالات کی بنا پر حلال وحرام کا فیصلہ کرنا اس شخص کا کام نہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان رکھتا ہو۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کفار کے مذکورہ اعتراض کے جواب میں یہ مصلحت بھی بتائی جاسکتی تھی کہ جس جانور کو باقاعدہ ذبح کیا جاتا ہے، اُس کا خون اچھی طرح بہہ جاتا ہے۔ اس کے برخلاف جو جانور خود مر جاتا ہے، اُس کا خون جسم ہی میں رہ جاتا ہے، جس سے پورا گوشت خراب ہو جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت بیان فرمانے کے بجائے یہ کہنے پر اکتفا فرمایا کہ جو چیزیں حرام ہیں، وہ اللہ نے خود بیان فرمادی ہیں، لہٰذا اس کے احکام کے مقابلے میں خالی گھوڑے دوڑانا مومن کا کام نہیں۔ اس طرح یہ واضح فرمادیا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں یقیناً مصلحتیں ہوتی ہیں، لیکن مسلمان کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی اطاعت کو ان مصلحتوں کے سمجھنے پر موقوف رکھے۔ اُس کا فریضہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم آجائے تو بے چون وچرا اُس کی تعمیل کرے، چاہے اس کی مصلحت اس کی سمجھ میں آرہی ہو یا نہ آرہی ہو۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِأَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ 119

ترجمہ: اور تمہارے لیے کون سی رکاوٹ ہے، جس کی بنا پر تم اُس جانور میں سے نہ کھاؤ، جس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو؟ حالاں کہ اُس نے وہ چیزیں تمہیں تفصیل سے بتادی ہیں جو اُس نے تمہارے لیے (عام حالات میں) حرام قرار دی ہیں، البتہ جن کو کھانے پر تم بالکل مجبور ہی ہو جاؤ، (تو ان حرام چیزوں کی بھی بقدرِ ضرورت اجازت ہو جاتی ہے) اور بہت سے لوگ کسی علم کی بنیاد پر نہیں، (بلکہ صرف) اپنی خواہشات کی بنیاد پر دوسروں کو گم راہ کرتے ہیں۔ بلاشبہ تمہارا ربّ حد سے گذرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ 119

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهٗ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ 120

ترجمہ: اور تم ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہ چھوڑ دو۔ یہ یقینی بات ہے کہ جو لوگ گناہ کماتے ہیں، انھیں ان تمام جرائم کی جلد ہی سزا ملے گی، جن کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے۔ 120

تشریح نمبر 2: ظاہری گناہوں میں وہ گناہ داخل ہیں جو انسان اپنے ظاہری اعضا سے کرے، مثلاً جھوٹ، غیبت، دھوکا، رشوت، شراب نوشی، زنا وغیرہ اور باطنی گناہوں سے مراد وہ گناہ ہیں، جن کا تعلق دل سے ہوتا ہے، مثلاً حسد، ریاکاری، تکبر، بغض، دوسروں کی بدخواہی وغیرہ۔ پہلی قسم کے گناہوں کا بیان فقہ کی کتابوں میں ہوتا ہے اور ان کی تعلیم وتربیت فقہا سے حاصل کی جاتی ہے اور دوسری قسم کے گناہوں کا بیان تصوّف اور احسان کی کتابوں میں ہوتا ہے اور اُن کی تعلیم وتربیت کے لیے مشائخ سے رجوع کیا جاتا ہے۔ تصوّف کی حقیقت یہی ہے کہ باطن کے ان گناہوں سے بچنے کے لیے کسی رہنما سے رجوع کیا جائے۔ افسوس ہے کہ تصوّف کی اس حقیقت کو بھلا کر بہت سے لوگوں نے بدعات وخرافات کا نام تصوّف رکھ لیا ہے۔ اس حقیقت کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بہت سی کتابوں میں واضح فرمایا ہے۔ آسان طریقے سے اس کو سمجھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "دل کی دنیا"۔

فہم حدیث

سورۂ فاتحہ کے ختم پر ''آمین''

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

سورۂ فاتحہ جو متعین اور حتمی طور سے نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے، جیسا کہ معلوم ہے اس کی ابتدائی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اور چوتھی آیت میں اس کی توحید کا اقرار و اظہار اور دعا کی تمہید ہے اور اس کے بعد کی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا اور اس کا سوال ہے اور اس پر یہ سورت ختم ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ختم پر ''آمین'' کہنے کی ہدایت فرمائی ہے اور جب نماز جماعت کے ساتھ کسی امام کے پیچھے پڑھی جا رہی ہو تو حکم ہے کہ جب امام سورۂ فاتحہ کی آخری دعائیہ آیتیں پڑھنے کے بعد اس حکم کے مطابق آمین کہے تو اس کے ساتھ مقتدی بھی آمین کہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی اطلاع ہے کہ اس وقت اللہ کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوْا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امام (سورۂ فاتحہ کے ختم پر) آمین کہے تو تم مقتدی بھی آمین کہو، جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگی، اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: کسی کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان کیے ہیں، ان میں سب سے زیادہ راجح یہ ہے کہ ملائکہ کی آمین کے ساتھ آمین کہی جائے نہ اس سے پہلے ہو نہ اس کے بعد میں اور ملائکہ کی آمین کا وقت وہی ہے جب کہ امام آمین کہے۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ جب امام سورۂ فاتحہ ختم کر کے آمین کہے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ بھی اسی وقت آمین کہیں، کیوں کہ اللہ کے فرشتے بھی اس وقت آمین کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو بندے فرشتوں کی آمین کے ساتھ آمین کہیں گے، ان کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

عَنْ أَبِي مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا قَالَ ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ'' فَقُوْلُوْا ''آمِيْنَ'' يُجِبْكُمُ اللّٰهُ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفیں اچھی طرح درست اور سیدھی کرو، پھر تم میں سے کوئی امام بنے، پھر جب وہ امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ سورۂ فاتحہ کی آخری آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ پڑھے تو تم کہو، آمین (یعنی اے اللہ قبول فرما، جب تم ایسا کرو گے) تو اللہ تعالیٰ سورۂ فاتحہ میں مانگی ہوئی ہدایت کی دعا قبول فرما لے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ''آمین'' دراصل قبولیتِ دعا کی درخواست ہے اور بندے کی طرف سے اس بات کا اظہار ہے کہ میرا کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا کو قبول ہی کر لے، اس لیے سائلانہ دعا کرنے کے بعد وہ آمین کہہ کے پھر درخواست کرتا ہے کہ ''اے اللہ! محض اپنے کرم سے میری حاجت پوری فرما دے اور میری دعا قبول فرما لے۔'' اس طرح یہ مختصر سا لفظ رحمتِ خداوندی کو متوجہ کرنے والی ایک مستقل دعا ہے۔

سنن ابی داؤد میں ابوزہیر نمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''ایک رات ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے جا رہے تھے، ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا جو بڑے الحاح اور انہماک کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا تھا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ شخص اپنی دعا پر مہر لگا دے تو یہ ضرور قبول کرا لے گا۔ آپ کے ساتھیوں میں سے کسی نے عرض کیا کہ کس چیز کی مہر؟ آپ نے فرمایا کہ آمین کی مہر۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے ختم پر آمین کہنا ان چیزوں میں سے ہے، جن سے دعا کی قبولیت کی خاص اُمید کی جا سکتی ہے۔

اَشْهُرُ الْحُرُم حرمت والے مہینے کی فضیلت

''عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَلزَّمَانُ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا: أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ، وَ رَجَبُ مُضَرَ الَّذِيْ بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ۔'' (صحیح بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ ''زمانہ اب اپنی اُسی ہیئت اور شکل میں واپس آ گیا ہے جو اُس وقت تھی، جب اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے، ان میں سے چار مہینے حُرمت (عظمت اور احترام) والے ہیں، تین تو مسلسل ہیں یعنی: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ رجب کا ہے جو کہ جُمادیٰ الثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے۔'' (صحیح بخاری)

Shangrila®
THE FOOD EXPERTS!
وقت کے ساتھ سب بدل جاتا ہے،
لیکن وہ گزرے دن اور خالص ذائقے، آج بھی یاد دلاتا ہے، شنگریلا اچار
گھر جیسا اچار چٹخارے دار...
Zip Lock
Shangrila
MANGO PICKLE IN OIL
آم کا اچار تیل میں
Shangrila
THE FOOD EXPERTS!
MIXED PICKLE IN OIL
مکس اچار تیل میں
www.shangrila.com.pk
ShangrilaPakistan
ShangrilaPakistan

مقصدِ زندگی

حضرت مولانا عبدالستار حَفِظَہُ اللہ

انسان کی زندگی کا مقصدِ اصلی اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ اصل مقصد یہی ہے، باقی سب ضروریات ہیں۔ زندگی کی خاطر اللہ نے اس دنیا میں ضروریات بھی رکھی ہیں اور یہ انسان اپنی خواہشات بھی پوری کرتا ہے۔ آج ذہنوں میں بہت اُلجھاؤ اور غلط فہمیاں ہیں کہ انھوں نے اپنی اولاد کی خاطر مقصدِ اصلی کو فراموش کر رکھا ہے اور اس پر کوئی افسوس، شرمندگی نہیں ہے۔ اپنے بچوں کی خواہشات کی خاطر انھیں مقصد سے محروم کر رکھا ہے، اگر یہ بچے کل اللہ کے دربار میں پہنچتے ہیں اور وہاں سوال ہو جاتا ہے کہ تم تو ہمیں بھی نہیں جانتے اور ہمارے رسول کو بھی نہیں جانتے، جو تمھیں ہم نے زندگی دی ہے، تمہاری زندگی میں کہیں اس کا نقشہ بھی نہیں ہے، یہ کیا کیا ہے؟ اور وہ کہہ دیں کہ ہم نے تو اپنے بڑوں کی مانی، یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ ہم نے اپنے بڑوں کی مانی تھی! جس اسکول میں بھیج دیا، جس کالج میں بھیج دیا، جس یونیورسٹی میں بھیج دیا، دنیا کے جس خطے میں بھیج دیا، دنیا کی جس جگہ رہائش دے دی اور ہم نے اپنے بڑوں کی مانی تھی اور آج ہم کہیں کے نہ رہے اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ کُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا ہم نے اپنے بڑوں کی مانی تھی کہ آج اس حالت تک پہنچے کہ ہمیں اپنے دین کا الف ب بھی نہیں آتا۔۔ اس لیے کہ مسلمان بچے کی دینی تعلیم و تربیت کے بغیر اس کی زندگی سے بہتر اس کی موت ہوتی ہے۔ مسلمان بچے کی دینی تعلیم و تربیت کے بغیر اس کی زندگی سے اس کی موت بہتر ہوتی ہے وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ تمہاری زندگی اور موت سب اسلام پر ہو، لیکن جہاں بڑوں نے کہہ دیا، کچھ نہیں پتا دین کا، کلمہ بھی نہیں آتا، توحید بھی نہیں جانتا، نبی ﷺ کی رسالت سے بھی بے خبر ہے، نہیں جانتا کہ اسلام میں عبادت کیا ہے؟ اسلام میں معاملات کیا ہیں؟ اسلام کی معاشرت کیا ہے؟ اسلام کا حسن کیا ہے؟ اسے پتا ہی کوئی نہیں بیچارے کو کہ میری زندگی کا مقصد کیا ہے۔ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ اے ایمان والے بندو! میری دنیا بہت فراخ ہے، میری زمین بہت فراخ ہے۔ اگر تمھیں میری بندگی کا ماحول میسر نہیں، کہیں اور چلے جاؤ جہاں تمہاری بندگی اور مقصدِ زندگی مشکل ہو رہی ہے، وہاں سے کہیں اور چلے جاؤ، اس لیے کہ میری زمین بہت فراخ ہے۔ عبادت تو میری ہی کرنی ہے فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ اور کیا بھائی! جو مکہ مکرمہ میں ایک دل کی کشش رکھی ہے اور اس شہر میں جو محبوبیت رکھی ہے اور طبیعتیں جو اس کی طرف کھینچتی ہیں کہ وہاں بیت اللہ ہے، وہاں حجرِ اسود ہے، وہاں صفہ ہے، وہاں مروہ ہے، منٰی اور عرفات ہے، لیکن جب اللہ کے نبی ﷺ نے دیکھا کہ اس سرزمین پر بھی اللہ کی بندگی مشکل ہو رہی ہے تو اپنے پیاروں سے کہا: یہاں سے چلے جاؤ، حبشہ چلے جاؤ۔ اب بتائیے! جب مکہ میں زندگی مشکل ہوگی، مقصدِ زندگی مشکل ہوگا تو کہا: یہاں سے چلے اور پھر دنیا کا کون سا شہر ہے جو کسی شمار اور قطار میں آسکتا ہے، جس کی کشش میرے بچوں کے دل میں ہو، جس کی چاہت مسلمانوں کے دلوں میں ہو، مسلمانوں کے ہاں تو وہی خطۂ زمین سب سے محبوب ہے جہاں اس کا مقصدِ زندگی پورا ہو رہا ہے۔ وہی زندگی کے قابل ہے، جہاں اللہ کی فرمانبرداری، اللہ کو راضی رکھنا، دین کے شعائر پر عمل کرنا، اپنی اسلامی تہذیب کو اپنانا اس کے لیے آسان تھا۔

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ اے میرے ایمان والے بندو! میری زمین تو بہت کشادہ ہے، فراخ ہے، یہ عذر نہیں ہوگا کہ مجھے یہاں ماحول نہیں ملا تھا کہ مجھے یہاں کا دین سیکھنے کا ماحول نہیں ملا تھا، یہ عذر قابل قبول نہیں ہے۔ تم نے زندگی کا مقصد ہی غلط بنا لیا۔ تم نے سمجھا کھانا اور پینا زندگی کا اسٹیٹس اور زندگی کی خوشحالی ہی مقصدِ زندگی ہے، یہ آج ذہنوں میں الجھاؤ ہے۔ نئی نسل کو نہیں پتا اس کے بڑوں نے بتایا ہی نہیں ہے انھیں، وہ درس گاہوں میں لے کر ہی نہیں گئے کہ انھیں یہ تو پتا ہو کہ ہم دنیا میں آئے کیوں ہیں؟ وہ تو سمجھ بیٹھے ہیں بیچارے کہ زندگی کا فلسفہ ہے کہ خوب کھاؤ، خوب عیش و عشرت کی زندگی گزارو، یہی کامیابی ہے۔ یہی خوش نصیبی ہے، اسی کے اقبال بلند ہیں، اسی کے نصیب جاگ گئے اور اس نے دوڑ لگا رکھی ہے، وہ ایسوں ہی پہ رشک کرتا ہے، وہ ایسوں ہی کو خوش نصیب سمجھتا ہے۔ ایسے نقشے جب کسی کے پاس ہوتے ہیں، کہتے ہیں اس کے اقبال بڑے بلند، یہ سب ضروریات ہیں۔ یہ سب خواہشات ہیں۔ مقصدِ زندگی تو اللہ کی بندگی ہے۔

تو میرے عزیزو! آج میرے زندگی کے فیصلے، میرے بچوں کی تعلیم و تربیت کے فیصلے،

مقصدِ زندگی کو سامنے رکھ کر ہو رہے ہیں؟ یا خواہشات کو سامنے رکھ کر ہو رہے ہیں؟ کتنا الجھاؤ آچکا ہے آج ذہنوں اور فکر میں، کتنی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ہم مقصدِ زندگی سے کتنے دور ہوتے چلے گئے ہیں۔ کچھ نہیں پتا کہ ہم آئے کیوں ہیں؟ اگر ضروریات اور خواہشات میں اسٹیٹس بنانے کا نام ہی مقصدِ زندگی ہوتا، پھر تو اللہ کے نبی ﷺ مکہ کیوں چھوڑتے؟ اپنے پیاروں کو حبشہ کیوں بھیجتے؟ وہ تو ہر خواہش پوری کرنے کے لیے تیار تھے۔ وہ تو کہہ رہے تھے: دولت چاہیے، حسن چاہیے، عہدہ چاہیے، قدموں میں رکھتے ہیں۔ وہ تو قریش کے سردار قدموں میں آئے کہ دولت چاہیے، حسن چاہیے، آپ سردار بننا چاہتے ہیں، پیش کر دیتے ہیں۔ بس اپنی اس زندگی سے جو آپ اللہ سے لے کر آئے ہیں، کچھ اس سے دستبردار ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ میں سچے دین کے ہوتے ہوئے تمہاری زندگی اختیار نہیں کر سکتا اور تم کفر کے ساتھ اسلام کی زندگی اختیار نہیں کر سکتے۔ بڑا فاصلہ ہے مسلمانوں کا اپنا دین ہے، اس کی اپنی ایک شناخت ہے، اس دین کا اپنا ایک تشخص ہے، اس کی اپنی حدود ہیں، ان حدود میں داخل ہوں تو مسلمان ہوتا ہے۔ اس سے نکلتا ہے تو مسلمان نہیں رہتا۔ ایسا نہیں کہ کچھ بھی کرتا رہے۔ اب تو مسلمانوں کا عجیب حال ہے، کہہ دو مسلمان ہے، چاہے اس نے کسی ہندو اور مشرک سے شادی کی ہو، تب بھی لوگ خوشیاں منا رہے ہوتے ہیں کہ نیویارک کا میئر مسلمان ہے۔ ارے کچھ سوچو تو سہی، اس کی تو ماں بھی ہندو! مسلمان تو کسی مشرک سے شادی نہیں کرتا، لیکن چوں کہ دنیا کی نظر میں آج ایسے مسلمان چاہییں کہ ان کا عقیدہ مسلمانوں کا نہ عبادت مسلمانوں کی، نہ رہن سہن مسلمانوں کا، نہ اسلامی حدود کا خیال۔۔۔! اسے میڈیا میں اتنا اوپر کر دو، تاکہ مسلمانوں کی نسلوں میں یہ بات آجائے کہ شادی ہندو میں کرنا، سکھوں میں کرنا، یہود و نصاریٰ میں کرنا کوئی بات نہیں۔ بس انسانیت ہونی چاہیے، رشتے سب سے ہو جاتے ہیں۔ اسلام کی تو اپنی ایک زندگی ہے، لیکن آج نئی نسل کو دین سکھایا کہاں؟ آج اسلام کی حدود کہاں ہیں۔

> آج لوگوں کے ذہنوں میں بہت اُلجھاؤ اور غلط فہمیاں ہیں کہ انھوں نے اپنی اولاد کی خاطر مقصدِ اصلی کو فراموش کر رکھا ہے اور اس پر انھیں کوئی افسوس اور شرمندگی بھی نہیں ہے۔ اپنے بچوں کی خواہشات کی خاطر انھیں زندگی کے اصلی مقصد سے محروم کر رکھا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا "اے ایمان والو! کسی مشرک سے تمہارا نکاح نہیں ہوتا جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئے۔" ہندو مشرک ہے۔ مشرکوں سے نکاح مسلمان کا! لیکن جب آپ اپنے بچوں کو ایسے ماحول میں ڈالیں گے، جہاں انھیں اسلام کا الف ب بھی نہیں پتا تو مسلمانوں کی اولادیں غیر مسلم میں بیاہی جائیں گی۔ مسلمانوں کی بچیاں غیر مسلموں کے نکاح میں آئیں گی۔ کچھ نہیں پتا انھیں، نہ انھیں کلمہ آتا ہے نہ انھیں نماز آتی ہے! نہ انھیں اسلامی عقائد کا پتا ہے۔ مسلمان صرف مردم شماری کا نام تو نہیں ہے، پیدائشی طور پر چند نام رکھنے کا نام مسلمانی نہیں ہے۔ اسلام کا تو اپنا ایک تشخص، ایک زندگی ہے، جو لاکھوں میں پہچانا جائے کہ یہ مسلمان ہے۔ لیکن نہ وہ اللہ کو جانے نہ میری اولاد اللہ کے رسول کو جانے، نہ انھیں یہ پتا کہ اسلام کی عبادات کیا ہیں؟ اسلام کی معاشرت کیا ہے؟ قصور کس کا۔۔۔ ان بڑوں کا ہے، جنہوں نے انھیں ایسا ماحول دیا جس سے وہ دینی تعلیم و تربیت سے محروم رہا اور کل قیامت میں اللہ کی بارگاہ میں اپنے باپ کی گردن پکڑے گا اور کہے گا اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ہم اس حالت میں اس لیے پہنچے کہ ہمارے باپ نے ہم سے کہا اور ہم نے مانا، جہاں داخل کیا ہم چلے گئے، جہاں بھیجا ہم چلے گئے، جہاں بٹھایا ہم بیٹھ گئے۔ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ان بڑوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ آج ہماری حالت یہ پہنچی ہے، اس لیے کہ ہم ان کی مانتے چلے گئے۔

مقصدِ زندگی اللہ کی بندگی ہے۔ اللہ کی بندگی، اللہ کی عبادت، رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، اللہ کے حقوق کی ادائیگی مقصدِ زندگی ہے۔ باقی سب زندگی کی ضروریات اور خواہشات ہیں۔ امتحان ہال میں آدمی جاتا ہے مقصد کیا ہوتا ہے؟ پرچہ اچھا ہو جائے، پھر وہاں اس کی کچھ ضروریات بھی ہیں، سخت پیاس لگی تو پانی، کچھ خواہشات بھی ہوتی ہیں کہ اچھا ماحول، فرنیچر اچھا ہو، مشروبات اچھا مل جائے، ہوا، روشنی اچھی ہو اس کی خواہشات ہیں۔ کوئی بھی نادان ان چیزوں میں زیادہ نہیں الجھتا، بلکہ بسا اوقات ان چیزوں کی قربانی دیتا ہے۔ پرچہ اچھا ہو جائے بس اور پرچہ اچھا نہ ہوا اور انہی چیزوں میں الجھا رہے اور وقت پورا ہو جائے اور باہر آکر کہے اے سی کی ہوا خوب لی ہے اور اس میں، میں نے نیند بھی خوب لی ہے۔ فرنیچر بھی بہت اچھا تھا، ٹیک لگا کے کافی دیر تک سوتا رہا، پرچے کا وقت ختم ہو گیا، عقل سے عاری ہے۔ عقل سے کورا ہے۔ بڑا ہی کم عقل ہے۔ دنیا کے امتحان ہال میں آیا مقصدِ زندگی اللہ کی بندگی تھی اور یہ غفلت میں سوتا رہا، عیش و عشرت میں رہا، زندگی کے رات دن اسی میں گزر گئے اور جب خوابِ غفلت سے اٹھا اور مرنے کے بعد آنکھ کھلی، اب افسوس ہوا کہ میں کن چیزوں میں الجھتا رہا، وہاں نری حسرت رہ جائے گی! افسوس در افسوس رہ جائے گا! آج خوابِ غفلت سے اٹھنے کا وقت ہے۔ اپنے بچوں کا رُخ ٹھیک کیجیے۔ اپنی بچیوں کے فیصلے صحیح کیجیے۔ اپنے گھر کا نقشہ صحیح بنائیے۔۔۔! وہاں پہ ذہن، سوچ اپنے بچوں کو دیجیے کہ زندگی کا مقصدِ اصلی اللہ کی بندگی ہے۔ اللہ کی بندگی کے ساتھ ضروریات بھی پوری ہو جائیں، اللہ کا شکر ادا کیجیے اور اگر کچھ خواہشات میں کمی رہ جائے اور ضروریات کی کچھ قربانی دینی پڑے، مقصدِ اصلی پورا ہو جائے، تب بھی بڑی دور اندیشی ہے۔ بڑی عقلمندی ہے، تب بھی اس کے فیصلے بڑی سمجھ داری کے ہیں۔ گھاٹا نہیں ہے، پھر بھی کامیاب ہو گیا تو زندگی کا مقصدِ اصلی اللہ کی بندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کو سامنے رکھ کر زندگی کے فیصلے، اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے فیصلے کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!!

> اے ایمان والے بندو! میری دنیا بہت فراخ ہے۔ اگر تمہیں میری بندگی کا ماحول میسر نہیں، کہیں اور چلے جاؤ جہاں تمہاری بندگی اور مقصدِ زندگی مشکل ہو رہی ہے، وہاں سے کہیں اور چلے جاؤ، لیکن عبادت تو میری ہی کرنی ہے۔

تعلیم کا بنیادی مقصد کردار سازی

عذرا خالد

تعلیم صرف معلومات کے حصول کا نام نہیں، بلکہ یہ انسان کے کردار، اخلاقی رویّوں کی تشکیل اور معاشرتی رویّوں کو بہتر بنانے کا ایک گہرا اور دیرپا عمل ہے، جسے کردار سازی کہتے ہیں۔ ایک پختہ کردار اخلاقی اور معاشرتی خصوصیات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ایسا فرد صحیح اور غلط، اچھے اور بُرے کے درمیان درست فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، مثبت تعلقات قائم کرتا ہے اور عارضی کامیابی کی بجائے دائمی کامیابی پر نظر رکھتا ہے۔ وہ عدل کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہے اور اپنے جذبات میں توازن قائم رکھتا ہے۔ طلبہ کی کردار سازی انھیں مستقبل کی مشکلات کی ذمے داری اور بہتر انداز میں مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرتی ہے۔

کردار سازی پر تعلیم کے ہمہ گیر اثرات: تعلیم انسان کے کردار کو درج ذیل اہم طریقوں سے متاثر کرتی ہے۔

علم اور بصیرت میں اضافہ: تعلیم فرد کی سوچ کو وسیع کرتی ہے، اسے دنیا اور اس کے مسائل کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ علم کے ذریعے ہی انسان صحیح اور غلط میں تمیز کر کے اپنے ماحول کو بہتر بنانے کی سمت قدم بڑھاتا ہے۔

اخلاقی رویّوں کی تشکیل: درسی کتب سے آگے بڑھ کر تعلیم ایمانداری، سچائی، ہمدردی، انصاف اور ذمے داری جیسی اعلیٰ اخلاقی صفات کی تعلیم دیتی ہے۔ یہ اخلاقیات خود غرضی سے بچا کر دوسروں کے حقوق کا احترام کرنا سکھاتی ہیں۔

ذہنی نشوونما اور تنقیدی سوچ: تعلیم ذہنی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتی ہے اور تنقیدی سوچ کو فروغ دیتی ہے۔ یہ فرد کو چیزوں کا تجزیہ کرنے، سوال اٹھانے (کیا، کیوں اور کیسے) اور آزادانہ رائے قائم کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ یہ سوچ محض سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کی بجائے حقائق کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے۔

معاشرتی رویّوں کی بہتری: تعلیم یافتہ فرد معاشرے کا ایک فعال اور مثبت رُکن بنتا ہے۔ یہ تعاون، اختلافِ رائے کا احترام اور معاشرتی ذمہ داریوں کو سمجھنا سکھاتی ہے۔

خود آگاہی اور خود اعتمادی: تعلیم فرد کو اپنی ذاتی خوبیوں اور خامیوں کو سمجھنے کا موقع فراہم کرتی ہے، جس سے اس کی ذاتی صلاحیتوں پر یقین اور خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا ہے۔

ایثار اور خدمتِ خلق کا جذبہ: تعلیم انسان میں ایثار، قربانی اور خدمتِ خلق کا جذبہ بیدار کرتی ہے۔ ایک تعلیم یافتہ انسان دوسروں کے دکھ درد کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھتا ہے اور معاشرے کی بھلائی کے لیے کام کرنے کی ترغیب پاتا ہے۔

کردار سازی میں اساتذہ کا کلیدی کردار: تعلیم کے ذریعے کردار سازی میں اساتذہ کا کردار سب سے زیادہ اہم اور بنیادی ہے۔ استاد محض کتابیں پڑھانے والا نہیں ہوتا، بلکہ وہ طلبا کے لیے ایک رول ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایک اچھا استاد صرف علم منتقل نہیں کرتا، بلکہ:

1: مثالی نمونہ: اساتذہ کے اخلاق، رویّے اور کردار طلبا کی شخصیت کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کا عمل ان کے قول سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

2: صلاحیتوں کی بیداری: وہ طلبا کی مخفی یا چھپی ہوئی صلاحیتوں کو بیدار کرتے ہیں اور انھیں شعور، علم اور آگہی کی دولت سے مالا مال کرتے ہیں۔

3: اخلاقی رہنمائی: وہ طلبا کو اخلاقی طور پر مضبوط بناتے ہیں اور انھیں ایک ذمہ دار، باشعور اور فعال شہری بننے میں مدد دیتے ہیں، جو ایک بہترین کردار کی بنیاد ہے۔

ہمارے تعلیمی نظام میں اصلاح کی ضرورت: یہ ایک تشویش ناک حقیقت ہے کہ ہمارا موجودہ تعلیمی نظام کردار سازی کے اپنے اصل مقصد میں بُری طرح ناکام رہا ہے۔ یہ ناکامی معاشرے میں انتشار، باہمی اختلافات، وسیع پیمانے پر پائی جانے والی معاشرتی خرابیوں اور بدعنوانی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، جو اب معمول بن چکی ہے۔

ہمارا فرسودہ نظام تربیت پر نہیں بلکہ صرف ڈگری کے حصول پر توجہ دیتا ہے۔ اسی لیے آج کے نوجوانوں کی خواہشات میں بے پناہ دولت اور بے مثال شہرت کی جستجو نمایاں نظر آتی ہے۔ اس کا نتیجہ قیادت کے خلا کی صورت میں بھی سامنے آیا ہے۔

معاشرتی بگاڑ کی جڑیں اسی فرسودہ تعلیمی نظام میں ہیں، جہاں ہم دوسرے کی بات کو سمجھنے کے لیے نہیں، بلکہ اسے منہ توڑ جواب دینے اور شرمندہ کرنے کے لیے سنتے ہیں۔

مستقبل کی راہ: کردار سازی پر مبنی تعلیم معاشرے کی ترقی اور خوش حالی کے فروغ کے لیے کردار سازی پر مبنی تعلیم کو اوّل ترجیح دینا وقت کا اہم تقاضا ہے۔

ایمانداری بنیادی وصف: کردار کی تعمیر میں ایمانداری کو بنیادی پتھر کے طور پر پیش کیا جائے۔ تمام خوبیاں اسی صفت سے جنم لیتی ہیں، جو سماجی تعلقات میں انقلاب لاتی ہیں اور انفرادی و معاشرتی ترقی کو فروغ دیتی ہیں۔

قناعت اور سکون: کردار سازی کی تعلیم لوگوں کو قناعت کی ترغیب دیتی ہے، جس سے امن و سکون میسر آتا ہے اور ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرنے کی خواہش کم ہوتی ہے۔

دینی تعلیم کا امتزاج: بہترین کردار دین کو سمجھنے سے ہی حاصل ہوتا ہے، جس میں توحید پر یقین، بڑوں کا ادب، چھوٹوں سے حسنِ سلوک، انصاف، شکر گزاری اور دوسروں کی خدمت کا جذبہ شامل ہے۔

عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم سے طلبہ کو آراستہ کرتے ہوئے ہم آئندہ نسل کی بہترین کردار سازی کر سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے معاشرے کو تبدیل کرنا ہوگا، تاکہ مستقبل کی نسل کو بہتر ماحول حاصل ہو اور وہ بہترین طریقے سے تربیت حاصل کر سکے۔ ایک مضبوط تعلیمی نظام ہی معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی سے ہمارے ملک کا بہتر مستقبل وابستہ ہے۔

سردی کی چادر میں لپٹی احتیاطیں

حفصہ سلطان

سردیوں کی دستک: جب ہوا کے جھونکوں میں ٹھنڈک اُترنے لگے، درختوں کی شاخوں پر خالی پن اتر آئے اور شامیں اپنے رنگوں کو سمیٹ کر خاموشی اوڑھ لیں تو سمجھ لیجیے کہ سردیوں نے دروازہ کھٹکھٹا دیا ہے۔ یہ موسم اپنے ساتھ لحاف کی نرمی، چائے کی خوشبو اور سکون کے لمحات لاتا ہے، مگر اس کے ساتھ جسمانی کمزوری، جلد کی خشکی، نزلہ، زکام اور سستی کی چادر بھی لاتا ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب انسان کو اپنی صحت اور خوراک کے توازن پر سب سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ سردی محض ایک موسم نہیں، بلکہ جسم اور روح دونوں کے امتحان کا دور ہے۔

کہ ہم اپنے آپ کو کس حد تک متوازن، متحرک اور صحت مند رکھتے ہیں۔ سردیوں کا موسم دراصل جسمانی نظام کے امتحان کا وقت ہوتا ہے۔ درجۂ حرارت میں کمی کے باعث خون کی گردش سست پڑ جاتی ہے، جسم زیادہ توانائی خرچ کرتا ہے، تاکہ اپنے درجۂ حرارت کو برقرار رکھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں سردیوں میں زیادہ بھوک لگتی ہے کیوں کہ جسم اندرونی حرارت کے لیے اضافی ایندھن چاہتا ہے۔

اگر اس موسم میں خوراک غیر متوازن ہو، پانی کم پیا جائے یا ورزش ترک کر دی جائے تو تھکن، وزن بڑھنا، ہاضمے کی خرابی اور قوّتِ مدافعت میں کمی جیسے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔

متوازن خوراک:

شہد: شہد جسم کو اندرونی طور پر گرم رکھتا ہے اور قوّتِ مدافعت کو بڑھاتا ہے۔ روزانہ ایک چمچ خالص شہد نیم گرم پانی یا دودھ کے ساتھ پینے سے جسم سردی کے اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ نہ صرف توانائی دیتا ہے بلکہ نزلہ و زکام سے بچاؤ میں بھی مددگار ہے۔

خشک میوہ جات: بادام، اخروٹ، پستہ، کاجو اور مونگ پھلی سردیوں میں جسم کی توانائی کی کمی کو پورا کرتے ہیں۔

یہ میوے وٹامن ای، زنک اور اومیگا-3 فیٹی ایسڈز سے بھرپور ہوتے ہیں جو جلد کی خشکی دور کرتے ہیں اور دل کو مضبوط رکھتے ہیں، مگر یاد رہے! اعتدال ضروری ہے، زیادہ استعمال وزن بڑھا سکتا ہے۔

ادرک، لہسن اور ہلدی: یہ تینوں سردیوں کی نعمت ہیں۔ ادرک چائے میں شامل کر کے پینے سے جسم گرم رہتا ہے، لہسن خون کو پتلا کرتا ہے اور دل کے امراض سے بچاتا ہے، جبکہ ہلدی دودھ کے ساتھ استعمال کی جائے تو ہڈیوں کو طاقت اور زکام سے تحفظ ملتا ہے۔

پھل: سنگترہ، کینو، امرود، سیب اور انار جیسے پھل وٹامن سی کے بہترین ذرائع ہیں۔ یہ پھل نہ صرف جسم کو وائرل انفیکشن سے بچاتے ہیں بلکہ جلد کو تازگی اور قدرتی نرمی بھی بخشتے ہیں۔ امرود اور انار کا استعمال خون کی کمی دور کرنے میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔

پانی: اکثر لوگ سردیوں میں پانی کم پیتے ہیں کیوں کہ پیاس محسوس نہیں ہوتی، لیکن جسم کو سردی میں بھی اتنی ہی نمی کی ضرورت ہوتی ہے جتنی گرمیوں میں۔ پانی کی کمی جلد کو خشک، ہونٹوں کو پھٹا ہوا اور جسم کو سست کر دیتی ہے۔

اس لیے روزانہ کم از کم 7-8 گلاس پانی پینا ضروری ہے، چاہے نیم گرم ہی کیوں نہ ہو۔

سورج کی روشنی: سردیوں میں دن چھوٹے اور دھوپ کم ہوتی ہے۔ اس کمی سے جسم میں وٹامن ڈی کی مقدار کم ہو جاتی ہے، جو ہڈیوں، دانتوں اور اعصاب کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ صبح کے وقت کچھ دیر سورج کی روشنی میں بیٹھنا یا چہل قدمی کرنا جسم کو تقویت دیتا ہے اور موڈ کو بھی بہتر بناتا ہے۔

جسمانی حرکت: سردیوں میں اکثر لوگ گرم کمبلوں میں لپٹے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں، مگر سستی جسم کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

ہلکی ورزش، واک یا یوگا خون کی گردش کو تیز کرتی ہے، جو جسم کو گرم رکھتی ہے اور توانائی بحال کرتی ہے۔

یہ نہ صرف جسمانی بلکہ ذہنی سکون کا بھی ذریعہ ہے۔

جلد کی دیکھ بھال: سردیوں میں ہوا کی خشکی جلد سے قدرتی تیل چھین لیتی ہے، جس سے جلد پھٹنے اور کھردری ہونے لگتی ہے۔

ناریل، زیتون یا بادام کے تیل سے ہلکا مساج جلد کی نمی برقرار رکھتا ہے۔

رات سونے سے پہلے ہاتھوں اور پیروں پر ویزلین یا موئسچرائزنگ کریم لگانا نہ بھولیں۔

نیند اور ذہنی سکون: سردیوں کی راتیں لمبی اور خاموش ہوتی ہیں، مگر یہ سکون اگر بے ترتیبی نیند کے ساتھ گزارا جائے تو جسم کمزور پڑ جاتا ہے۔ مناسب نیند جسم کے خلیوں کی مرمت کرتی ہے اور مدافعتی نظام کو فعال رکھتی ہے۔

سونے سے قبل موبائل اور کیفین سے پرہیز اور ہلکی سی دعا یا تلاوت ذہنی سکون میں اضافہ کرتی ہے۔

گھریلو احتیاطی تدابیر:

- کھانا تازہ کھائیں، فریز کیا ہوا زیادہ استعمال نہ کریں۔
- بہت زیادہ چائے یا کافی کے بجائے ہربل ٹی، ادرک یا دار چینی کا قہوہ پییں۔
- گھر کے کمروں میں ہوا کی گزرگاہ کھلی رکھیں، تاکہ آکسیجن کی کمی نہ ہو۔
- موم بتی یا ہیٹر استعمال کرتے وقت احتیاط برتیں، خشک فضا سانس کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔

سردیاں ہمیں سکون دیتی ہیں، مگر سستی کا جال بھی بُن دیتی ہیں۔

یہی وہ وقت ہے جب انسان کو اپنے جسم کی سننا، اس کی ضرورتوں کو سمجھنا اور معمولاتِ زندگی میں اعتدال لانا سیکھنا ہوتا ہے۔

صحت مند رہنے کا راز کسی جادوئی نسخے میں نہیں، بلکہ روزمرہ کی چھوٹی عادتوں میں چھپا ہے۔ جیسے وقت پر سونا، متوازن خوراک لینا، تھوڑا چلنا، دھوپ میں بیٹھنا اور دل میں شکر گزاری رکھنا۔ اگر ہم نے سردیوں کے دنوں کو صرف کپڑوں سے نہیں بلکہ عقل و تدبیر سے بھی گرم رکھا، تو نہ صرف جسم صحت مند رہے گا بلکہ دل و دماغ بھی تازگی سے بھر جائیں گے۔

تندرستی صرف ایک حالت نہیں یہ اللہ کی نعمت ہے جس کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔

سردیوں کا لطف بھی تب ہے میسر
جب بدن رہے تندرست و دل ہو خوشتر

دو سہیلیوں کے درمیان ایک فکر انگیز مکالمہ

''کیسی ہو ساجدہ؟ بہت پریشان نظر آرہی ہو۔ خیر تو ہے؟''

''کیا بتاؤں نبیلہ! ہر وقت مجھے تو سفیان کی فکر ہی رہتی ہے۔ اتنے مہنگے اسکول میں داخلہ کروایا ہوا ہے، ساتھ اتنا خرچ کر کے ٹیوٹر بھی رکھا ہوا ہے، لیکن ہر ٹیسٹ میں اس کے نمبر کم سے کم آتے جا رہے ہیں۔ امتحانات میں بھی اتنی محنت کے باوجود خاص رزلٹ نہیں آتا۔ کھانے پینے کا بھی اتنا خیال رکھتے ہیں، پروٹینز والی اور غذائیت والی تمام چیزیں اس کی خوراک میں شامل ہیں لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسے تو کسی چیز کے اثرات ہی نہیں نظر آتے۔ ہر وقت یہی پریشانی اور فکر لاحق رہتی ہے کہ یہی حال رہا تو کیسے وہ آگے معاشرے میں نام پیدا کرے گا اور کس طرح اچھی ڈگری حاصل کر کے کہیں اچھی جگہ پر جاب کر سکے گا۔ تم تو جانتی ہی ہو کہ اچھی نوکری کے لیے اچھی ڈگری ضروری ہے ورنہ آج کل کے مہنگائی کے دور میں اخراجات کہاں پورے ہوتے نظر آتے ہیں۔'' ساجدہ نے وضاحت کے ساتھ اپنی پریشانی بتائی۔

''بات تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو ساجدہ! لیکن میرا ظہیر بھی زیادہ اچھا رزلٹ نہیں لاتا مگر پھر بھی اللہ کا شکر ہے کہ پاس ہو جاتا ہے۔ میں بھی اس کے کھانے پینے کا خیال رکھتی ہوں مگر مجھے اس دنیاوی پڑھائی کی اتنی زیادہ فکر نہیں ہوتی۔''

''اچھا؟ تو پھر تمھیں کس بات کی فکر ہوتی ہے؟''

''مجھے فکر ہوتی ہے:

میرا دل دکھتا ہے مجھے فکر ہوتی ہے

حفصہ محمد فیصل

جب اس کی فجر کی نماز جماعت سے چھوٹ جاتی ہے، جب وہ قرآن کی تلاوت کا ناغہ کر دیتا ہے، جب وہ نماز پڑھنے میں سستی دکھاتا ہے۔ تو مجھے اپنے گناہوں کی کوتاہیاں اور نحوست اپنے سامنے کھڑی نظر آتی ہیں اور میں اس دن بہت افسردہ ہو جاتی ہوں، جس دن وہ باجماعت نمازوں کے لیے جانے میں پریشان کرتا ہے۔

میرا دل چاہتا ہے بلکہ میں ہر وقت یہ دعا کرتی ہوں کہ میرے بچوں کی نماز اور قرآن بہت اچھے ہوں اور یہ دونوں چیزیں قرب الٰہی اور حب رسول ﷺ کو حاصل کرنے کا سبب بنیں۔

دنیاوی چیزیں ایک حد تک تو معنی رکھتی ہیں لیکن جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہو جائے اس کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جاتی ہے۔ اللہ رب العزت ایسی جگہوں سے اسے روزی کی فراوانی عطا کرتے ہیں کہ اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا دنیا تو اکثر لوگوں کی بن ہی جاتی ہے اصل مقصد ہمارا آخرت کو مد نظر رکھنا ہے۔''

''کیا واقعی نبیلہ! جب تمہارا ظہیر اچھا رزلٹ نہیں لاتا، تو تمھیں پریشانی لاحق نہیں ہوتی؟''

''کیوں نہیں ہوتی، لیکن میں اسے اپنے اور ظہیر کے سر پر سوار نہیں کرواتی ہوں اس کو محنت کرنے کی ترغیب دیتی ہوں اور ساتھ ہی اسے اللہ سے مانگنے کی بھی دعوت دیتی ہوں کیونکہ اللہ چاہے تو ہی عزت اور مقام مل سکتا ہے ورنہ ساری دنیا بھی مل جائے تو بھی انسان عزت اور مقام حاصل نہیں کر سکتا تو اپنے بچوں کو ہر چیز سے پہلے ہمیں اللہ سے مانگنا سکھانا ہے، پھر ان کے مقدر میں جو ہو گا وہی حاصل کریں گے۔

فکر کی جو بات ہے یا دل پریشان جس چیز پر ہونا چاہیے وہ تو نماز، قرآن اور دیگر فرائض ہیں جن کے متعلق ہمارے بچے ثانوی معاملہ کرتے ہیں اور اس کی وجہ بھی ہم ہیں: ''ٹیسٹ ہو رہے ہیں، امتحان ہو رہے ہیں تو ہم بچوں کو نماز و قرآن کا ناغہ کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں لیکن امتحان کی تیاری ہر ہر سوال کو یاد کرنے پر زور دے رہے ہوتے ہیں حالانکہ جو اصل چیز تھی اس کی ہم نے چھوٹ دے دی، جس کی چھوٹ بستر پر نزع کے عالم میں پڑے مریض کو بھی نہیں دی گئی ہے، اس کو بھی نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے اور ہم اپنے بچوں کو امتحانات اور ٹیسٹ کے دوران کتنی بے دردی سے نماز و قرآن چھوڑنے کی چھوٹ دے دیتے ہیں۔

کہتے ہیں: بیٹا یاد کر و وقت ضائع نہ ہو نماز اور قرآن کے وقت کو ہم ضائع ہونا گردانتے ہیں اور یہ اکثر ماؤں کو کرتے دیکھا گیا ہے، مدرسے کی چھٹی کروالی، نماز پڑھنی ہے تو بھی صرف فرض پڑھ کے جلدی جلدی واپس پڑھنے بیٹھ جاؤ، جماعت سے پڑھنے کی تو ان دنوں میں کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔ بچے بالغ ہو جاتے ہیں اور انہیں وضو، غسل اور نماز کے مسائل کا علم ہی نہیں ہوتا کتنے افسوس اور فکر کی بات ہے جس کا ہمیں احساس ہی نہیں۔

چھٹیاں ہیں تو فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے ہی نہیں بھیجنا بلکہ بعض جگہوں پر تو فجر ہی کے لیے نہیں اٹھانا کہ بچہ ہے اتنے دنوں بعد تو چھٹیاں ملی ہیں سونے دو صبح اٹھ کر قضا کر لے گا۔ کیسی دشمنی برتتے ہیں ہم اپنے اولاد کے ساتھ! کیسے آگ میں جھونکنے کے کام کر دیتی ہیں ہم مائیں!

لیکن ہم اس چیز کو سمجھ ہی نہیں پاتے کیونکہ ہمارے دلوں میں تو دنیاوی تعلیم دنیاوی ترقی اور دنیاوی چکا چوند بسی ہوئی ہے۔ یہی اگر امتحان کی تیاری کے لیے رات کے چار بجے بھی اٹھانا پڑے تو ہم بچے کو جگا کر بٹھا دیتے ہیں کہ: بھئی بہت مشکل امتحان ہے یاد کر لو، پڑھ لو تاکہ کچھ رہ نہ جائے۔

کاش! ہم اس اصل نقصان کو سمجھ سکیں اور اس اصل تیاری کی ہمارے دلوں میں اہمیت اور قدر پیدا ہو جائے۔'' نبیلہ چھلکتی آنکھوں سے بولی۔

''ساجدہ! تم نے تو میری آنکھیں کھول دیں تمہارے لفظ لفظ سے میں متفق ہوں۔ تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو، میری بھی یہی سوچ اور یہی نظریہ ہے کہ دنیا ہی سب کچھ ہے۔ مذہب کو دین کو ہم نے ثانوی حیثیت دی ہوئی ہے، جہاں پر ضرورت پڑتی ہے، بس وہیں پر اس کو لے کر آتے ہیں جبکہ اس نماز کی اہمیت قران کی تلاوت کی فکر ہمیں اپنے بچوں کی گھٹی میں شامل کرنی تھی لیکن ہم نے خود ہی اس کی فکر نہ کی تو ہمارے بچوں میں کیسے آئے؟

جزاک اللہ خیرا! تم نے آج میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میری فکر، میری سوچ، میرے نظریے کو تبدیل کر دیا ہے۔ اب میری بھی اولین ترجیح اور فکر نماز اور قرآن کی پابندی ہو گی۔

ان شاء اللہ۔۔۔ دونوں ایک ساتھ بولیں۔

NEW
Zaiby
Jewellers CLIFTON
A TRUSTED NAME IN JEWELLERY SINCE 1974
EACH FACET TELLS A STORY OF DEPTH &
SPARKLE
03085888455
021 35835455, 35835488
S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton

جمالِ حجاب

اشمل تسلیم

شکاری کا جال: یہ بات واضح ہے کہ ہم فتنوں کے ایک ہجوم میں جی رہے ہیں۔ وہ فتنے ماہر شکاری کے اس جال کی مانند ہیں، جس سے معصوم پرندے بہ مشکل ہی محفوظ رہتے ہیں۔ یہ شکاری شیطان ہے، جس نے انسان کو گم راہی کے گڑھوں میں دھکیلنے کا وعدہ کر رکھا ہے اور وہ اپنے اس وعدے کو مکمل طور پر سچائی کا لبادہ اوڑھانے کے لیے نت نئے جال بُنتا ہے، جس کے ذریعے انسانی ضمیر کو اپنی قید میں کر سکے، لہٰذا قدرت و شریعت نے اس کی راہ میں بکثرت رکاوٹیں حائل کی ہیں، جن میں نماز، روزہ زکوٰۃ اور دوسرے بہت سے امور شامل ہیں۔ ان ہی رکاوٹوں میں سے ایک پردہ بھی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”عورت سراپا پوشیدہ رہنے کے قابل ہے۔ جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔“ (جامع ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح)

فسادات کے اسباب: موجودہ دور میں ہونے والے فسادات کے اسباب پر غور کیا جائے تو ان کا ایک واضح سبب بے حیائی ہے۔ بے حیائی کے ضمن میں محض نامحرم سے ناجائز تعلقات ہونا شامل نہیں بلکہ وہ تمام پیغامات جو بلا ضرورت کسی اجنبی کو ارسال کیے گئے، وہ زیورات جن کی چمک دلوں کو متوجّہ کرتی ہے، وہ عبایا جس پر بنے ہوئے نقش و نگار عام لباس سے جدا نہیں ہوتے، وہ نقاب جو زینت چھپانے میں ناکام رہتا ہے، وہ تصویریں جو ایک رشتے دار سے دوسرے رشتے دار کے موبائل میں منتقل ہوتے ہوتے تمام اہل و عیال اور ان سے جڑے افراد تک پھیل چکی ہیں، وہ آواز جو احباب کے درمیان گفتگو کا مرکز ہے، وہ تمام لغو محفلیں جو دوستوں (بشمول دوستوں و سہیلیوں) کے ساتھ لگائی گئیں، ہر وہ دھڑکن جو نامحرم سے گفتگو کے باعث منتشر ہوئی ہو اور ہر وہ نگاہ جو اجنبی قدموں کے انتظار میں دروازے سے لگی ہوں، وہ گناہ جو تنہائی میں موبائل کے ناجائز استعمال کے سبب صادر ہوئے ہوں، الغرض! وہ تمام افعال اور امور شامل ہیں جس میں کسی بھی نوعیت کے بے راہ روی کا شائبہ بھی ہو۔ چاہے وہ نامحرم کی جانب اٹھی نگاہیں ہوں یا اجنبی نگاہوں کو مائل کرتے ہوئے انداز و اطوار۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (الاحزاب: 33)

اور غیر مردوں کو بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو، جیسا کہ پہلی جہالت میں دکھایا جاتا تھا۔

جہنمیوں کی دو خاص قسمیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جہنمیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا۔ ایک قسم ان لوگوں کی جن کے پاس گائے کے دُموں کی مانند کوڑے ہوں گے، جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے اور دوسری قسم وہ عورتیں جو لباس پہنتی ہوں گی، مگر برہنہ ہوں گی۔ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور خود ان کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی۔ ان کے سر بختی اونٹ کے جھکے ہوئے کوہانوں کی طرح ہوں گے، ایسی عورتیں جنّت میں نہیں جائیں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی نہیں پائیں گی، جو اتنے اتنے فاصلے سے آئے گی۔

کم زور انسان، مضبوط علاج: چوں کہ انسان کم زور ہے، اس لیے ربّ تعالیٰ نے اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرماتے ہوئے اس کو ان تمام دفاعی طریقوں سے روشناس کروا دیا ہے، جو اس کے لیے مضبوط رسّی کی مانند ہیں، جس کے ذریعے وہ شیطان کے بنائے گڑھوں میں گرنے سے محفوظ ہو سکتا ہے، لہٰذا پردہ بھی ایک مضبوط دفاع ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”اے نبی (ﷺ)! تم اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادریں اپنے (منہ کے) اوپر جھکا لیا کریں۔ اس طریقے میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی تو اُن کو ستایا نہیں جائے گا۔“ (الاحزاب: 59)

جدید دور میں جبکہ ہماری نوجوان نسل قرآنِ پاک کی عظیم آیات کو اساطیر الاوّلین کہتے ہوئے پسِ پشت ڈال دیتی ہے تو انھیں اس بات کا ادراک بھی نہیں ہوتا کہ وہ کتاب اللہ کی نصائح ہی ہیں، جن کی روشنی انھیں ان راہوں کا مسافر بننے سے روکے رکھتی ہے، جن پر گامزن ہونے والے افراد نے اپنی ذات کے لیے تباہی اور ہلاکت کا سامان کر لیا ہے۔ جب ان کے آنسو نامحرم کی طلب میں ضائع ہوئے، جب ان کی مسکراہٹیں اجنبی لبوں سے ادا ہوئیں، تعریفی کلمات کی محتاج ہو گئیں، جب ان کے ذہن منفی خیالات کی آماجگاہ بن گئے اور جب مخلوق کی ناراضی کا خوف خالق کی ناراضی کے خیال پر غالب آ گیا۔ کاش! کے وہ امورِ الٰہیہ کو قفس و سلاسل گمان نہ کرتے اور ان کو اپنا کر دونوں جہاں کی راحت حاصل کر لیتے۔

سر اٹھا کر جینے کا سلیقہ: شیطان پاک دلوں کو وسوسوں سے میلا کرتا ہے اور صنفِ نازک کو حجاب جیسی مضبوط زرہ زیب تن کرنے سے روکتا ہے اور وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتی ہیں کہ محض نقاب کی سیاہی ہی اسے بہت سی نگاہوں کی سیاہی سے محفوظ رکھتی ہے اور حیا کی چادر ہی اس کے قدموں کو پابہ زنجیر کرتی ہے، جبکہ ان کا رُخ اندھیروں کی وادی کی جانب ہو جاتا ہے اور لہجے کی سختی ہی ہے جو کہ جنس مخالف کو مرعوب کرتی ہے اور اسے حد سے تجاوز نہیں ہونے دیتی۔

پردے کے سبب آپ کی شخصیت کی قدر و قیمت، عزّت و وقار اور رفعت و منزلت آپ کی نگاہوں میں بلند مقام تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ آپ کو سر اٹھا کر جینے کا سلیقہ سکھاتا ہے اور آپ کو ان صفات سے متّصف کرتا ہے، جن کو صحابیات رضی اللہ عنھنّ نے اختیار کیا۔ اس ہی کے ذریعہ آپ کی پاکدامنی آپ کے نزدیک ہر شے سے زیادہ قیمتی ہو جاتی ہے اور آپ مثالی کردار کے مالک بن جاتے ہیں۔ برقعہ کی گرمی نارِ جہنم سے غافل نہیں ہونے دیتی اور اس کا نور گم راہی کے اندھیروں کو سلب کر لیتا ہے۔

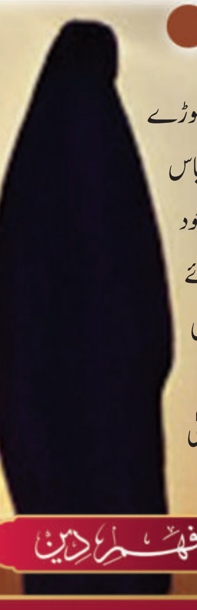

حجاب خزانہ، کمالات کا مجموعہ: حجاب جمالِ نساء ہے، کمالِ حیا ہے۔ پیکرِ حسن ہے اور فخرِ زَن ہے۔ مضبوط قلعہ ہے اور محفوظ مسکن ہے۔ بیش قیمت زیور ہے اور افضل ترین زینت ہے۔ چہرہ کا نور ہے اور قلب کا سکون ہے۔ حوصلوں کو بلند کرتا ہے اور نگاہوں کو پست کرتا ہے۔ روح کے لیے رحمت کے دروازے کھولتا ہے اور نفس کے لیے قید و بند کی راہیں ہم وار کرتا ہے اور زندگی کے شب و روز کو لذّت و اطمینان، فرحت و راحت سے آراستہ کرتا ہے۔

اپنی ذات کو ڈھانپ کر پوشیدہ کر لینا اور اسے مثلِ کنز چھپا لینا بلاشبہ پردہ کا سب سے

روح کی مرمّت

ریما نور رضوان

میری زندگی کے بہت سے سفر ایسے ہیں جن کا ذکر کرتے ہوئے آج بھی دل بھیگ جاتا ہے، مگر اس سفر کا آغاز اُس دن سے ہوتا ہے جب پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ انسان کی سب سے زخمی چیز اس کا جسم نہیں، اس کی روح ہوتی ہے اور روح جب ٹوٹتی ہے، بکھرتی ہے تو کوئی مرہم کام نہیں آتا، سوائے رب کے۔۔۔ میں ہمیشہ سمجھتا تھا کہ زندگی وہی ہے جو سامنے نظر آتی ہے۔ رشتے، ذمہ داریاں، روزمرہ کی مصروفیات، مسکراہٹیں اور چند دُکھ جنہیں ہم چپ چاپ اٹھائے پھرتے ہیں، مگر مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ میری روح کسی گہرے خلا میں گم ہو چکی تھی۔ میں چلتا پھرتا انسان ضرور تھا، مگر اندر سے خالی، جیسے روشنی کی تلاش میں بھٹکتا ہوا کوئی تنہا سایہ! یہ آپ بیتی اُس سفر کی داستان ہے جو ایک ایسی ملاقات سے شروع ہوا، جس نے مجھے بدل کر رکھ دیا، جہاں میری روح کو مرمت بھی ملی، عافیت بھی ملی اور مکمل ہونے کا مفہوم بھی ملا۔

زندگی ہمیشہ اونچی آواز میں دُکھ نہیں دیتی۔ کچھ دُکھ ایسے ہوتے ہیں جو خاموشی سے اندر بیٹھ جاتے ہیں اور انسان کو آہستہ آہستہ کھوکھلا کرتے رہتے ہیں، میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔ مجھے ہمیشہ لگتا تھا کہ میں مضبوط ہوں۔ ہر مشکل کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والا شخص۔۔۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ میں اندر سے تھک چکا تھا۔ لوگوں کی توقّعات، اپنے خوف، رشتوں کا بوجھ، وقت کی دوڑ، نفسیاتی تھکن یہ سب مل کر روح پر وہ بوجھ ڈال دیتے ہیں جو نظر تو نہیں آتا، مگر انسان کی روشنی بجھانے لگتا ہے۔ ایک دن میں نے خود کو آئینے میں دیکھا۔ چہرہ معمول جیسا تھا، مگر آنکھیں! خالی تھیں، جیسے برسوں سے نیند، محبت اور سکون سے محروم ہوں۔

تب پہلی بار احساس ہوا روح تھکی ہوئی ہے۔ مکمل طور پر تھکی ہوئی اور تھکی ہوئی روح کبھی خوش نہیں رہ سکتی۔

ان دنوں میری زندگی ایک صحرا کی طرح تھی۔ میں لوگوں میں رہتا تھا، مگر اکیلا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ خود کو کام، مصروفیات اور باتوں میں الجھا دوں، مگر اندر کی خاموشی بڑھتی گئی۔ ایک رات میں چھت پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہوا میں سردی تھی، آسمان سیاہ تھا اور شہر کی روشنیوں میں بھی عجیب سی اداسی گھلی ہوئی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں کہا۔

”یارب! کیا میری زندگی میں بھی سکون آئے گا؟“

یہ پہلی دعا تھی جو نہ زبان نے بولی نہ دماغ نے سوچی، بلکہ روح نے کی تھی اور شاید یہ وہ لمحہ تھا، جب میرا سفر شروع ہوا رب کی طرف واپسی کا سفر! وہ سفر جس میں انسان کو اپنے اندر کی ویرانیوں سے گزر کر روشنی تک جانا ہوتا ہے۔

ہر انسان کی زندگی میں کبھی نہ کبھی کوئی ایسا شخص آ جاتا ہے جو اُس کی دنیا بدل دیتا ہے۔ خاموشی سے، بِنا کچھ کہے، جیسے نور کی کوئی کرن دل پر پڑ جائے۔ میری زندگی میں بھی ایسا ہی ہوا۔ میری ملاقات اذلان سے ایک روحانی درس میں ہوئی تھی۔ وہ میری طرح ایک عام سا لڑکا نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں سکون تھا، وہ سکون جو میں برسوں سے ڈھونڈتا تھا۔

وہ بات بھی کم کرتا تھا، مگر اس کی موجودگی میں ایک عجیب سی روشنی تھی۔ جیسے اس کا دل کسی مقام تک پہنچ چکا ہو، جیسے وہ دنیا کے شور کے باوجود اندر سے پُرسکون ہو۔ اُس سے کوئی گہری بات نہیں ہوئی تھی، مگر جب بھی میں اسے دیکھتا تھا میری بے چین روح تھوڑی دیر کے لیے پُرسکون ہو جاتی تھی۔

تب میں نے پہلی بار سمجھا کہ انسان کی روح کچھ لوگوں سے فطری طور پر جڑ جاتی ہے، بغیر وجہ، بغیر ضرورت، بغیر لفظوں کے۔۔۔ اور یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے اندر رب کا نور زیادہ ہوتا ہے۔ ایک طرف میری روح اس روشنی کی طرف کھنچتی تھی، دوسری طرف مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں اس قابل نہیں۔ میں ابھی بھی گناہوں میں اُلجھا ہوا انسان تھا۔ مجھے اپنے ماضی پر شرمندگی تھی۔ میں کئی کمزوریوں کا حامل تھا۔ میں نے کئی بار خود سے وعدے توڑ دیے تھے۔ میں نماز میں بھی بھٹک جاتا تھا، لیکن اذلان کی شخصیت میرے اندر ایک سوال بیدار کرتی تھی۔

”کیا میں بھی ایسا بن سکتا ہوں؟“ ایک ایسا انسان جس کی روح صاف ہو، لیکن راستہ آسان نہ تھا۔ ہر دن نفس کی جنگ ہوتی تھی۔ کبھی ہار جاتا، کبھی جیت جاتا، لیکن ایک بات ضرور تھی۔

میری روح اب جاگ گئی تھی اور جب روح جاگ جائے تو پھر انسان وہ نہیں رہتا جو پہلے تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ اپنے اندر تبدیلی محسوس کی۔ وہ تبدیلی جو باہر سے نہیں آتی، اندر سے آتی ہے۔ میں نے سجدوں میں زیادہ وقت گزارنا شروع کیا۔

دعاؤں میں سچائی آگئی۔ نماز بوجھ نہیں لگتی تھی۔ اللہ کا ذکر دل کو ٹھنڈک دینے لگا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی اندر ٹوٹی ہوئی چیز آہستہ آہستہ جڑ رہی ہے۔ جیسے زخموں پر مرہم لگایا جا رہا ہو۔ اذلان کی شخصیت میرے لیے آئینہ بن گئی تھی۔ میں اس سے کچھ مانگتا نہیں تھا، نہ توجہ نہ رشتہ، نہ تعلق! میں صرف اس نور کا ایک چھوٹا سا حصہ حاصل کرنا چاہتا تھا جو اس کے اندر تھا اور شاید یہی رب کا نظام ہے۔ جب انسان کسی روشنی سے متاثر ہوتا ہے تو وہ روشنی دراصل رب نے اس کے لیے بھیج رکھی ہوتی ہے، تاکہ وہ اس کی طرف واپس پلٹے۔

ایک دن درس کے بعد میں باہر بیٹھا ہوا تھا۔ اذلان خاموشی سے آیا، بیٹھ گیا اور اتنا ہی کہا۔
”جو روحیں اللہ کی طرف چل پڑیں، ان سے ملنے والی روحیں بھی اللہ ہی بھیجتا ہے۔ وہ مرمّت بھی ہوتی ہیں، عافیت بھی پاتی ہیں اور مکمل بھی ہو جاتی ہیں۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے میری طرف نہیں دیکھا، مگر مجھے لگا جیسے ہر لفظ میرے اندر اتر گیا ہو۔
اسی لمحے میں نے جانا روح کی حقیقی مرمّت انسان نہیں کرتا، رب کرتا ہے اور بعض لوگ صرف راستہ دکھانے آتے ہیں۔ اس دن میں نے پہلی بار سجدے میں رو کر رب سے کہا۔
”یا اللہ! مجھے اپنی طرف لے چل، میری روح تھک گئی ہے۔ میرے دل کو صاف کردے۔“
اور یہ وہ دعا تھی، جس نے مجھے بدل دیا۔ وقت گزرتا گیا۔ میری نمازیں بہتر ہوئیں۔ سجدے طویل ہوتے گئے۔ میرے دل میں عجیب سا سکون آنے لگا۔
وہ چیز جس کو میں برسوں سے ڈھونڈ رہا تھا، اب اندر سے پھوٹ رہی تھی۔ ایک دن میں نے خود کو آئینے میں دیکھا۔ چہرہ وہی تھا، مگر آنکھوں میں روشنی آگئی تھی۔ وہ روشنی جو پہلے اذلان کی آنکھوں میں دیکھی تھی، اب میری آنکھوں میں تھی۔ تب مجھے احساس ہوا میں ٹھیک راستے پر ہوں۔ میری روح اب رب کے قریب ہوگئی تھی اور جو روح رب کے قریب ہوتی ہے۔
وہ کبھی ٹوٹتی نہیں، کبھی خوفزدہ نہیں ہوتی، کبھی اکیلی نہیں ہوتی۔ اذلان شاید میری زندگی میں ایک وجہ سے آیا تھا۔ مجھے جگانے، مجھے راستہ دکھانے، مجھے میری اصل پہچان دلانے۔۔۔ پھر وہ آہستہ آہستہ میری زندگی سے دور چلا گیا، مگر جو روشنی وہ چھوڑ گیا تھا، وہ آج بھی میرے اندر زندہ ہے۔ آج میں جان چکا ہوں کہ روح جب اپنے جیسی روح سے ملتی ہے تو وہ مرمّت بھی ہوتی ہے، عافیت بھی پاتی ہے اور مکمل بھی ہو جاتی ہے، لیکن اصل ملاقات انسانوں سے نہیں ہوتی، اصل ملاقات رب سے ہوتی ہے اور جو اس سے مل جائے وہ کبھی ٹوٹتا نہیں ہے۔۔۔!!

بقیہ

جمالِ حجاب

حسین پہلو ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی بعض امور ایسے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے حجاب کا حسن دوگنا ہو جاتا ہے۔
ضروریاتِ زندگی جب کبھی کسی فرد کو گھر کی چار دیواری سے باہر لے جائیں تو اس کے لیے لازم ہے کہ دورانِ سفر نگاہ کو نیچے اور لسان کو ذکر اللہ سے تر رکھے، کیوں کہ جھکی ہوئی نگاہیں نازیبا مناظر کے مشاہدے سے محفوظ رہتی ہیں اور اللہ کی یاد نگاہِ خطا کے شر سے حفاظت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”مؤمن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی ان کے لیے پاکیزہ ترین طریقہ ہے۔“ (النور: 30)
ربّ کا یہ حکم مرد و عورت دونوں کے لیے یکساں ہے، لہٰذا ارشاد ہے: ”اور مؤمن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔“ (النور: 31)
عفّت پہلی ترجیح: منزلِ مقصود تک رسائی کی راہ میں اگر کسی لغو محفل یا خلافِ شرع مجلس سے گزر ہو تو اپنی عفّت کو اوّلین ترجیح دیتے ہوئے دعا کے ہتھیار کے ذریعے نفسانی حملوں سے بچتے ہوئے اسے عبور کرلے اور جان لے کہ یہ ایک عظیم کامیابی ہے۔ سورۃ الفرقان کی اخیر آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص و مقبول بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (الفرقان: 72)
جب کسی لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔
ایسی محافل میں شرکت کرنے سے اجتناب کرنا جن میں اختلاطِ مرد و زن کا اندیشہ بھی ہو، اگر اہل و عیال کی جانب سے اصرار کیا جائے تو مثلِ یوسف علیہ السّلام یہ کہہ کر اعراض کرلے:
قَالَ مَعَاذَ اللهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ أَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (یوسف: 23)
اللہ کی پناہ! وہ میرا آقا ہے، اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ ظلم کرتے ہیں، انھیں فلاح حاصل نہیں ہوتی۔
سخت اور ترش لہجہ بچاؤ کی ڈھال: اگر صنفِ نازک کے لیے نامحرم سے گفتگو مجبوری کے تحت ضروری ہو جائے تو اسے چاہیے کہ دورانِ گفتگو اپنے انداز کو سخت اور لہجہ کو ترش رکھے۔ ربّ تعالیٰ کا حکم ہے:
فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ
لہٰذا تم نزاکت کے ساتھ بات چیت مت کیا کرو، کبھی کوئی ایسا شخص بیجا لالچ کرنے لگے، جس کے دل میں روگ ہوتا ہے۔ (الاحزاب: 32)
کسی بھی جائز امر اور اہم عمل کے بِنا عورت کے قدموں کا گھر کی دہلیز سے باہر آنا درست نہیں، لہٰذا بلا سبب دن کا بیشتر حصہ بازار کی نذر کر دینا، محض خواہشِ قلب کی تکمیل کے لیے بکثرت گھر سے باہر کھانا تناول کرنا، سہیلیوں کے ساتھ سیر و تفریح کی نیت سے محلہ میں گھومنا اور گلیوں میں کھیلنا عبث اعمال ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:
وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (الاحزاب: 33) اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو۔
اس بات کا مکمل اہتمام کرنا کہ آپ کی آواز کی رسائی نامحرم کی سماعت تک نہ ہو، لہٰذا راہوں میں اونچے قہقہوں اور فضول گوئی سے پرہیز لازمی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”میں اپنے بعد مردوں پر عورتوں سے زیادہ نقصان دہ کوئی فتنہ نہیں چھوڑ کر جا رہا۔“ (صحیح بخاری)
خوشبو کے استعمال میں احتیاط: خوشبو کے استعمال میں مکمل طور پر احتیاط برتنا چاہیے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”جو عورت عطر و خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گزرے، تاکہ وہ اس کی خوشبو سونگھیں، وہ عورت زناکار ہے اور ہر آنکھ جو اس کو دیکھے زناکار ہے۔“ (سننِ نسائی و ابن ماجہ)
اکبر الٰہ آبادی لکھتے ہیں:

بے پردہ کل جو نظر آئیں چند بیبیاں — اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو میں نے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا — کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا

حبيبي
HABEEBI
Divine
Cherry
Pour Femme
حبيبي
HABEEBI
e100ml 3.4FL.OZ
The World of Fragrance
REIMAGINED!
www.habeebi.store

مالٹا اور موسمی

حکیم شمیم احمد

خوردنی خصوصیت کا حامل مالٹا

مالٹا برِّصغیر پاک و ہند بالخصوص پاکستان کے مشہور ترین پھلوں میں شمار ہوتا ہے اور بڑی تعداد میں پیدا ہوتا ہے۔ مالٹے کی کئی ایک نمایاں خصوصیت تو ہم میں سے ہر شخص کو تھوڑی بہت معلوم ہیں۔ یہی سبب ہے جب اس کا موسم آتا ہے تو ہر ایک غریب ہو یا امیر بچہ ہو یا بوڑھا ہر فرد بڑے شوق سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ غذائی اعتبار سے اسے پھلوں میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ دو باتوں کے لحاظ سے تو کئی ایک پھلوں سے امتیازی اور انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ اوّلاً یہ کہ مالٹا بیک وقت جوس تیار کر کے نوش کرنے اور خوردنی خصوصیات رکھتا ہے، حالاں کہ اس کا صرف رَس ہی چوسا جاتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ طبیعت کو فرحت بخشنے میں سب پھلوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، نیز ایک متوسّط طبقہ سے تعلق رکھنے والا شخص بھی ایک وقت میں دو چار مالٹے کھا ہی لیتا ہے۔

مالٹا۔۔۔طبّی فوائد سے بھرپور

ہمارے وطنِ عزیز میں مالٹا انتہائی کثیر مقدار میں پایا جاتا ہے۔ اس لیے اپنی کثرت پیداوار اور گھریلو پھل ہونے کی وجہ سے عامۃ النّاس اس کی کچھ زیادہ قدر نہیں کرتے اور محض اسے پھلوں میں سب سے زیادہ فرحت بخش اور ہاضم ہونے کے باعث کھایا جاتا ہے اور یہاں کے باسی شوقیہ طور پر تسکینِ پیاس، تفریح و سیر سپاٹے کے موقعوں پر خوب جی بھر کر کھاتے ہیں اور یوں اس کے قدرتی خواص سے ناواقف ہونے کے باوجود بھی اس سے مستفید ہوتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن ممالک میں مالٹے کے درخت نہیں ہوتے یا جہاں یہ انتہائی محدود تعداد میں پایا جاتا ہے، وہاں اس پھل کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور بڑے بڑے امرا و شرفا اسے مہنگے داموں خرید کر بھی کھاتے ہیں اور معزّز مہمانوں کی آؤ بھگت ان پھلوں کو پیش کر کے کرتے ہیں۔ اگر عوام النّاس کو مالٹے کے طبّی فوائد اور خوبیوں سے آگہی ہو جائے کہ اس پھل میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کیسی کیسی خوبیاں سمو رکھی ہیں تو وہ اس کی بڑی قدر کریں۔

جسمانی تسکین کا موجب۔۔۔مالٹے کا رَس

موجودہ تحقیقات سے یہ بات پایہ تصدیق کو پہنچ چکی ہے کہ مالٹے کا رَس بدنِ انسانی کی قدرتی مدبرہ کی اصلاح کر کے اور اسے قوت دے کر تمام بدن میں لطافت و طاقت کی لطیف لہریں پیدا کر دیتا ہے۔ گرمی کی شدّت میں اس کا استعمال طبعی اور جسمانی تسکین کا موجب ہے اور خون میں حدِّ اعتدال سے بڑھی ہوئی حِدّت کو بھی کم کر دیتا ہے، چناں چہ طبیعت کی گرمی، خشکی اور یبوست کو رفع کرنے میں بہترین دوائی ٹانک کا فرض انجام دیتا ہے۔ اس لیے اس کا رَس بخار کے مریض کے لیے انتہائی مفید اور صحت بخش قرار دیا گیا ہے۔

موسمّی خوش ذائقہ مٹھاس کا خزانہ

موسمّی، مالٹے کی ایک قسم ہے۔ مالٹے میں ترشی کا ذرا سا اثر ہوتا ہے، جبکہ موسمّی، مالٹے کی ایک خوش ذائقہ اور میٹھی قسم ہے۔ اس کا درست اور صحیح نام موسمّی ہے۔ مگر عوام اسے موسمبی کہتے ہیں۔ موسمّی دراصل خوش ذائقہ مٹھاس کا خزانہ ہوتی ہے اور دنیا بھر میں شوق سے کھائی جاتی ہے۔ قدرت نے مٹھاس کے علاوہ اس کے گودے اور چھلکے تک میں غذائیت کے اجزائے ترکیب کے ساتھ ساتھ شفا بھی رکھی ہے۔ اس دل فریب پھل میں قدرت نے طرح طرح کے مفید اثرات اور اجزا بھر دیے ہیں، چناں چہ اس دلفریب پھل میں قدرت نے 80% مصفّا پانی رکھا ہے۔ 20 فیصد گوشت بنانے والے روغنی اور نشاستہ دار اجزا ہوتے ہیں۔

موسمّی دل کو لبھاتا پھل

موسمّی میں سوڈیم پوٹاشیم اور فولاد کی بھی آمیزش ہوتی ہے۔ اس پھل کو اگر دکان پر سجایا جائے تو بھی اور اگر اسے درخت پر دیکھا جائے تب بھی، ایک خوش نما منظر پیش کرتا ہے اور اپنی مخصوص خوشبو سے دل کو لبھاتا ہے۔ قدرت نے اس پھل میں وٹامن اے، بی اور ڈی سموئے ہیں۔ اس میں بدن پرور اور تازگی بخش وٹامن سی کو بڑی فراغ دلی سے بکھیر اگیا ہے۔

موسمّی غذائیت سے بھرپور پھل

موسمّی کا مزاج گرم تر ہے۔ ایک عمدہ غذا فراہم کرنے کے علاوہ یہ قبض کشا اور پیشاب لانے والی دوا ہے۔

تین بڑی موسمّیوں میں دو چپاتیوں کے برابر غذائیت ہوتی ہے۔

چھ سات موسمّیاں کھانے سے تین چار گھنٹے بھوک نہیں لگتی۔

معدے میں داخل ہوتے ہی یہ معدے میں ہاضم رطوبت کی تراوش بڑھا دیتی ہے۔* معدے کی تیزابیت دور کرتی ہے۔

مختلف فوائد

موسمّی کے بیج اور زرد کوڑی برابر وزن لے کر عرقِ گلاب میں دو روز تک کھرل کر کے سرمہ کی مانند باریک کر کے آنکھوں میں لگائیں تو جالا کٹ جائے گا اور نظر تیز ہو جائے گی۔

موسمّی کے موٹے اور زرد چھلکے کو آگ پر رکھ کر جلائیں، یہ سیاہ رنگ کی جلی ہوئی راکھ کھانسی کے لیے فائدہ مند ہے۔

تین گرام راکھ بارہ گرام شہد یا شربت بنفشہ میں ملا کر بار بار چاٹنے سے گلے کی خراش دور کھانسی کا فور اور بلغم بآسانی خارج ہو جاتی ہے۔

موسمّی بہترین غذا بھی اور دوا بھی۔۔۔

ہاضمہ کی خرابی ایک عام مرض ہے، جو لوگ کھانے کے بعد گھنٹوں پیٹ میں جلن کی شکایت کرتے ہیں، انھیں پیٹ کے بڑا ہونے کا بھی شکوہ ہوتا ہے۔ ان امراض کے لیے موسمّی ایک بہترین غذا اور دوا ہے۔ مریض کو صبح ناشتے سے قبل موسمّی کا جوس پلایا جائے۔ مریض کو کھانے کے بعد بھی موسمّی دی جا سکتی ہے۔ مریض کا کھانا حسبِ معمول جاری رکھا جائے۔ مریض اس کا رَس پیے، گودا اور پتلا چھلکا کھائے تو ان شاء اللہ کھانا ہضم ہونے کے علاوہ گیس میں بھی کمی واقع ہو گی۔ پیٹ نرم اور اِجابت آسانی سے آ جائے گی۔

صراطِ مستقیم

دانیال حسن چغتائی

اسکول سے چھٹی ہوئی تو زروا سخت پریشانی کا شکار تھی۔ اس کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار تھے۔ ماں نے اپنی بیٹی کا مرجھایا چہرہ دیکھا تو سمجھ گئی کہ اسکول میں ضرور کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو میری لختِ جگر کو ناگوار گزری ہے۔ والدہ نے مناسب نہ سمجھا کہ بیٹی سے پوچھے، مگر اس کا دل بے چین تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس سے پوچھے کہ وہ پریشان کیوں ہے۔

کھانا کھانے کے بعد زروا نے خود ہی اس خاموشی کو توڑا اور اپنی والدہ کی سوالیہ نظروں کے جواب میں کہنا شروع کیا: ''امی! یہ جو میں نے لمبی فراک پہنی ہوئی ہے نا، میری ٹیچر اس کی بدولت مجھ سے سخت ناراض ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ تم بھی دوسری لڑکیوں جیسی چھوٹی فراک پہن کر آؤ اور اگر تم کل پھر اس لمبی فراک میں آؤ گی تو اسکول سے نکال دوں گی۔ جب ساروں کو لباس کی آزادی حاصل ہے تو پھر وہ ایسا کیوں کہتی ہیں؟''

''میری بیٹی! مگر یہ لمبی فراک تو اللہ تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہے۔''

''امی جان! آپ کی بات درست ہے، لیکن ٹیچر کو یہ لباس پسند نہیں۔''

''میری بیٹی! یہ درست ہے کہ تمہاری ٹیچر کو تمہارا لباس پسند نہیں اور وہ تمہیں مرضی کے خلاف لباس پہننے کا مشورہ ہی نہیں دیتی بلکہ مجبور کرتی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے، اس لیے کہ ہم نے اسکول کا انتخاب اسی بنیاد پر کیا تھا، مگر دیکھنا یہ ہے کہ تمہیں اطاعت اور فرمانبرداری کس کی کرنی ہے، اپنی استانی جی کی یا اپنے خالق، مالک، رازق اور معبود کی، جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں خوب صورت شکل و صورت دی اور تم پر اپنے احسانات اور انعامات کی بارش کر دی۔''

''بیٹی! کیا تم اپنی ٹیچر کی فرماں برداری اور اطاعت کرو گی جو اپنے نفع اور نقصان کی بھی مالک نہیں، چہ جائیکہ دوسروں کا کچھ بگاڑ یا سنوار سکے یا اپنے مولا کریم کی اطاعت کرو گی جو نفع و نقصان عزت و ذلت اور زندگی و موت کا مالک ہے۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ تم کس کی بات مانو گی اور کس کو راضی کرو گی۔''

''میں ان شاء اللہ اپنے ربّ کریم کو راضی کروں گی۔'' زروا نے پُرعزم انداز میں کہا۔

''میری بیٹی! مجھے تم سے ایسے ہی فیصلے کی توقع تھی۔ میں نے تمہاری تربیت اس انداز میں کی تھی۔''

اگلے دن زروا وہی لمبی فراک پہنے اسکول گئی تو ٹیچر پہلے سے بھی زیادہ برہم ہوئی۔ اس کے غیظ و غضب کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ ''میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ آئندہ یہ فراک پہن کر اسکول نہ آنا۔ تم نے میری نافرمانی کی ہے۔'' وہ غصے سے آگ بگولا ہو رہی تھی۔

''تم جیسی لڑکیاں اساتذہ کی نافرمان ہوتی ہیں۔ تم نے مجھے چیلنج کیا ہے، اب دیکھنا میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں۔'' ٹیچر غصے میں پھنکارتی چلی گئی۔ کلاس کی لڑکیاں چپ چاپ سہمی ہوئی ٹیچر کی گفتگو سن رہی تھیں۔ انھیں اپنی کلاس فیلو پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے ٹیچر کی بات کیوں نہیں مانی، وہ اس پر اپنی نگاہوں کے تیر برسا رہی تھیں۔

معصوم سی بچی پر جب دباؤ زیادہ ہی پڑ گیا تو وہ اس کی تاب نہ لا کر بے اختیار رونے لگی۔ اب اس کی ہچکی بندھ چکی تھی۔

وہ دفتر میں چلی گئی، جہاں اس کی ٹیچر موجود تھیں۔ اس نے اپنی ٹیچر کو مخاطب کیا: ''میڈم! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس کو راضی کروں اور کس کو ناراض''

''میرے علاوہ اور کون ہے، جس کو تم راضی کرنا چاہتی ہو؟''

''ہے نا ایک۔'' زروا نے معصومیت سے جواب دیا۔

''ٹیچر: کون ہے وہ بتاؤ، فوراً بتاؤ۔''

''میں نے کہا ہے نا، وہ ایک ہے نا، جس کو میں راضی کرنا چاہتی ہوں۔'' زروا نے آہستگی سے کہا۔

ٹیچر اب غیظ و غضب سے بھر گئی تھی۔

وہ چلائی: ''بتاؤ وہ کون ہے۔''

زروا نے اپنا ہاتھ اور منہ آسمانوں کی طرف کر دیا اور کہا: ''میرا رب جو آسمانوں میں ہے، جس کو میں راضی کرنا چاہتی ہوں، میرا اللہ میرا اللہ میرا اللہ۔۔۔!!''

اسٹاف روم میں سناٹا چھا گیا تھا۔ ایک معصوم سی بچی کا اپنے رب پر اتنا مضبوط ایمان! ٹیچر ز کا ذہن گھوم رہا تھا۔ الحاد کی تہہ اُکھڑ رہی تھی، وہ سہمی سی لگ رہی تھی۔ ایک معصوم سی بچی نے صراطِ مستقیم کی نشاندہی کر دی تھی۔

مسیحائی اثرات کا حامل۔۔۔مالٹے کا رَس

جگر اور تلی کے مریضوں کے لیے مالٹے کا رَس مسیحائی اثرات کا حامل ہے۔ دل کو طاقت و تسکین دینے کے ساتھ ساتھ معدہ اور نظامِ ہضم کو طاقت دیتا ہے اور لذّت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مالٹے کا چھلکا جس قدر پتلا ہو، اسی قدر اس میں قوّت زیادہ ہوتی ہے اور ذائقہ میں مٹھاس۔

نوٹ: کھانسی اور زکام کے عوارض میں مالٹا ہرگز استعمال نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ اس حالت میں بجائے فائدے کے نقصان ہو سکتا ہے۔

موسّمی کئی بیماریوں کا شافع علاج

موسّمی کا استعمال خون کی حِدّت کو رفع کرتا ہے۔ پھوڑے پھنسیاں، خارش اور دوسرے جلدی امراض میں مبتلا ہونے والے افراد بھی اسے استعمال کر کے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ جب جوڑوں میں یورک ایسڈ جمع ہونے سے درد اور سوجن ہو جائے تو۔

نسخہ: سورنجانِ شیریں اور سفید زیرہ برابر وزن کوٹ چھان کر سفوف بنا کر تین سے چھ گرام روزانہ کھائیں اور اس کے ساتھ چائے بطورِ ناشتہ استعمال کریں۔ دونوں وقت کھانے کے بعد سونف چھ گرام چبالیا کریں اور سہ پہر کو موسّمی کھا کر دیکھیں یورک ایسڈ پیشاب سے خارج ہو جائے گا۔

احتیاطیں

موسّمی میں رطوبت بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس سے کھل کر پیشاب آتا ہے۔ بعض بوڑھے لوگوں کو اس کے استعمال سے بدن میں درد ہونے لگتا ہے۔ اسے صبح آٹھ بجے سے شام چار بجے تک دھوپ کے وقت استعمال کرنا چاہیے۔ ہاں! جوان اور گرم طبیعت والے جب چاہیں اسے استعمال کر سکتے ہیں۔

عالمی ادارہ

بیت السلام

ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

2200+

یتیم بچے زیرِ کفالت

رہائش، خوراک، تعلیم و تربیت

Saiban

FOR ORPHANS

BAITUSSALAM

اب ۔۔۔ میں ماں ہوں!

ثانیہ ساجد

مجھے آج بھی یاد ہے منگل کی وہ صبح جب نیند مکمل ہونے پر میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا، گھر میں غیر معمولی ہل چل مچی ہوئی تھی۔

لوگوں کا آنا جانا، دبی دبی سرگوشیاں اور کمروں میں پھیلا ہوا عجیب سا شور، سب سے پہلا خیال جو اس وقت میرے ذہن میں آیا وہ تھا۔ ''یااللہ! آج گھر میں کوئی دعوت ہے اور مجھے خبر تک نہیں۔'' میں نے چونک کر اپنے اوپر نظر ڈالی۔ ابھی تک نائٹ سوٹ میں تھی۔ ایک شرمندگی سی محسوس ہوئی۔ اتنے لوگوں کے بیچ یوں نکل آنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ''عامیہ! آپ اٹھ گئیں؟'' قریب سے خالہ جان کی نرم لیکن پریشان آواز سنائی دی۔ وہ مجھے فوراً کمرے میں لے گئیں اور کپڑے تبدیل کروا دیے۔ ''امی تو سب سے پہلے دانت صاف کرواتی ہیں۔'' میں نے دل میں سوچا، لیکن کہہ نہ سکی۔ دادی امی نے اپنے پاس بلا کر گلے سے لگا لیا، بلکہ چمٹا ہی لیا اور پھر چھوڑا ہی نہیں۔ نہ جانے کیوں لمبی لمبی سانسیں لے رہی تھیں وہ، مجھے کچھ سمجھ نہ آیا، مگر فضا میں عجیب سا بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔ اتنی دیر میں کوئی ناشتا لے آیا۔ ''ارے واہ! میرے پسندیدہ بسکٹ اور چائے۔'' دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔ لگتا ہے آج دعوت میں مہمانوں کے ساتھ ساتھ میری بھی پسندیدہ چیزیں بنی ہیں۔ میں نے خوب پیٹ بھر کر ناشتا کیا۔ امی کے ہاتھ کا انڈا پراٹھا ایک منٹ کے لیے بھی یاد نہ آیا۔ دادی امی مجھے بس اسی لیے تو پسند ہیں۔ وہ ہر چیز لا دیتی ہیں جن سے امی منع کرتی ہیں۔

ناشتے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ مہمانوں کا رش بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا، ایسے میں امی کو تلاش کرنا اور بھی مشکل ہو رہا تھا، پھر مجھے لگا کہ امی تو گھر میں ہی نہیں۔ ''ضرور خالہ کے ساتھ بازار گئی ہوں گی۔''

''ارے پاگل! خالہ تو یہاں پر ہیں۔'' میرے معصوم دل اور دماغ ایک دوسرے سے ہمہ تن گوش ہوئے۔

تو پھر ابو کے ساتھ کہیں گئی ہوں گی، لیکن کیا اس وقت بازار کھلا ہوگا۔ ابو بھی کہیں نظر تو نہیں آ رہے۔ برابر سے ماموں گزرے تو ان کے ہاتھ میں امی کا موبائل فون تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے ایک عجیب سا دھچکا لگا، لیکن ننّھے دماغ کو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا، البتہ ذہن بھاری ہوتا جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ مجھے احساس ہوا کہ میں مہمانوں کی نگاہوں کا مرکز بنتی جا رہی ہوں، جہاں آنکھ اٹھاتی کوئی نہ کوئی جانا پہچانا چہرہ میری طرف دیکھ رہا ہوتا اور نگاہ ملتے ہی ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ جاتی، کوئی قریب آ کر سر پر ہاتھ پھیر دیتا تو کوئی میری عمر پوچھتا اور کوئی یوں دیکھتا جیسے میرا قد اور جسم تول رہا ہو۔

امی نے ایک مرتبہ بتایا تھا کہ ہماری برادری میں لڑکیوں کی کم عمری میں شادیاں عام ہیں، اچانک ایک خوف میرے اندر تیزی سے سر اٹھانے لگا، کہیں آج میرا رشتہ ہی طے نہ ہو جائے۔ یہ سوچ آتے ہی میں ڈر کے مارے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں بھاگنے لگی۔ شاید کہیں امی مل جائیں، لیکن اچانک مجھے ایمن نظر آئی۔ میری پھوپھو کی بیٹی، میری ہم عمر! میری پکی سہیلی۔ اسے دیکھتے ہی میری جان میں جان آ گئی۔ ہم دونوں فوراً میرے کمرے میں جا کر چھپ گئے، تاکہ امی اور پھوپھو کی نظر ہم پر نہ پڑ سکے۔ تھوڑی دیر یہ فرضی چھپن چھپائی کھیلتے رہے، پھر اپنا اصل کھیل شروع کیا۔ ہم دونوں کھیل میں ایسے مگن ہو گئے کہ باہر کی دنیا جیسے ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی ہو، کچھ دیر بعد ماموں کا بیٹا ارحم بھی آ گیا۔ اس کے آنے سے ہمارے کھیل کا مزہ دوبالا ہو گیا۔ ہم تینوں خوب کھیلے۔ اتنا کہ ہنسی، شرارت اور دوڑ دھوپ سے جیسے پیٹ بھر گیا ہو، لیکن حیرت یہ تھی کہ امی نے ابھی تک ایک بار بھی آواز نہیں دی۔ آخر کار دور سے ایک آواز گونجی ''عامیہ کہاں ہو؟'' میں نے چونک کر سر اٹھایا، لیکن یہ آواز۔۔۔ امی کی آواز جیسی نہیں تھی۔ ''ایمن اور ارحم! تم دونوں بھی یہاں ہو؟؟''

یہ پھوپھو کی آواز تھی۔ وہ ہمیشہ بلاوجہ گھبرائی رہتی تھیں، مگر آج ان کے لہجے میں عجیب سی نرمی تھی۔ وہ میرے پاس آئیں، میرے ہاتھ کو پیار سے چوما، ماتھے پر بوسہ دیا اور پھر سینے سے لگا لیا۔ ایک پل کو محسوس ہوا جیسے وہ مجھے کبھی چھوڑنا ہی نہ چاہتی ہوں، پھر میں نے بھی محبت سے ان کے رخسار پر بوسہ دیا ''میری پھوپھو کتنا پیار کرنے والی ہیں۔'' وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر لے آئیں۔ دروازے پر قدم رکھتے ہی میں ٹھٹھک گئی، لوگوں کا ایک جمِ غفیر جیسے میرے منہ پر آ گرا ہو۔ ان سب نگاہوں سے پل بھر کے لیے میں پیچھے ہٹنے ہی والی تھی کہ خالہ ہجوم چیرتی ہوئی سامنے آئیں۔ انھوں نے پھوپھو کے کان میں دھیمے سے کہا: ''پہلے اسے کھانا کھلا دو۔'' اور بنا رکے ہی واپس چلی گئیں۔

خالہ کے منہ سے "کھانا" کا لفظ سنتے ہی میرے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے۔ صبح سے صرف چائے اور بسکٹ پر گزارا تھا۔ بھوک خوب لگی ہوئی تھی۔ اسی لمحے مجھے امی کی بہت شدّت سے یاد آئی اور دل چاہا خالہ سے ان کے بارے میں پوچھوں، لیکن میں کچھ بولتی اس سے پہلے ہی انھوں نے مجھے گود میں بٹھالیا اور دوبارہ اندر لے گئیں۔ خالہ کے قریب آتے ہی ہمیشہ ایک مانوس سی خوشبو مجھے گھیر لیتی تھی۔ ایسی خوشبو جو لمحہ بھر کے لیے مجھے امی کی یاد سے آزاد کر دیتی تھی۔ جیسے ان کی آغوش میں کوئی دُکھ چھو بھی نہ سکے۔ تھوڑی دیر بعد پھوپھو بریانی سے بھری پلیٹ لے آئیں۔ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے مجھے، ایمن اور ارحم کو کھانا کھلایا، کہانیاں سنائیں خوب مزہ آیا۔ ہماری ہنسی کی آواز چھت تک گونجتی رہی۔ وہ چند لمحے واقعی اچھے تھے، بے فکری اور معصومیت سے بھرے ہوئے۔ کھانا ختم ہوا تو باری تھی کمرے سے باہر جانے کی۔ صبح سے کھیل کھیل کر تھک چکی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ امی کے پاس جا کر سو جاؤں، لیکن ان سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ انھوں نے اسکول کی چھٹی کیوں کروائی، ورنہ تو وہ فوراً کام کروانے بیٹھ جائیں گی۔ میری امی کو کتنا بھی کام ہو، چین سے بیٹھنا تو جیسے ان کی قسمت میں لکھا ہی نہیں تھا۔ انہی خیالوں میں کھوئی میں خالہ اور پھوپھو کے درمیان ان دونوں کا ہاتھ تھامے چلتی چلی جا رہی تھی۔

برآمدے تک جانے کا راستہ روزانہ صرف چند سیکنڈ لیتا تھا، مگر آج یہ راستہ ناقابلِ بیان حد تک طویل محسوس ہو رہا تھا، وجہ مہمانوں کا ہجوم نہیں تھا، وجہ تھی وہ نگاہیں، عورتوں کی وہ ٹک ٹکی لگائے بیٹھی نظریں جو میرے سر سے پاؤں تک کو ٹٹول رہی تھیں، جن میں ہمدردی کم اور ترس کے زہر میں ڈوبی خاموش چیخیں زیادہ تھیں۔

ان نگاہوں نے مجھے میری امی کی میت تک پہنچنے سے پہلے ہی توڑ کر رکھ دیا تھا۔ خالہ اور پھوپھو نے بہت کوشش کی کہ مجھے ان نظروں سے بچا کر آگے لے جائیں، مگر جب انھوں نے امی کے بے جان، ساکت چہرے پر نظر ڈالی تو وہ خود بھی بکھر گئیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے، وہ کم از کم رو تو سکتی ہیں۔

مگر میرا دل۔۔۔ میرا دل تو جیسے پتھر بن گیا تھا، دماغ کسی صدمے میں منجمد ہو چکا تھا۔ میں سانس تو لے رہی تھی، مگر زندہ ہونے کا احساس کہیں گم ہو چکا تھا۔ میری امی مجھے بتائے بغیر مجھ سے پوچھے بغیر مجھے چھوڑ کر اس دنیا سے چلی گئی تھیں۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی؟ وہ تو کہتی تھیں کہ وہ مجھے اکیلا کبھی نہیں چھوڑیں گی، پھر آج کیوں چھوڑ گئیں ؟؟ اب میں کس کے پاس جا کر سوؤں گی؟ کس کے ہاتھ میرے سر پر ہوں گے؟ کس کی آغوش میں مجھے وہ سکون ملے گا، جو صرف ماں دے سکتی ہے۔ وہ تمام جال اور نگاہوں کے تیر جو اس وقت میری آنکھوں کے آنسو گننے کے لیے میری طرف متوجہ تھے، انھیں بے حد مایوسی ہوئی، کیوں کہ میں اب تک رو نہ پائی تھی۔ مجھے اس وقت صرف میری امی کی توجہ درکار تھی۔

اچانک سانس گھٹنے لگی۔ سر چکرایا اور اندھیرے نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سر کسی سخت چیز سے زور سے ٹکرایا۔ میں نے جتنی ہمت تھی، اتنی زور سے آواز دی۔ "امی۔۔۔!" پھر کچھ یاد نہ رہا۔ رات کو جب آنکھ کھلی تو کانوں میں کسی کی آواز گونجی۔ "چلو آج کا دن تو گزر گیا۔ مشکل تھا لیکن بچی سنبھل گئی۔" آج یعنی منگل کا دن واقعی گزر گیا تھا۔ چائے بسکٹ، شور شرابا، ایمن اور ارحم کی صحبت، مزے دار بریانی، خالہ اور پھوپھو کی شفقت سے دن نکال دیا تھا۔

میری امی کے بغیر، مگر رات ابھی باقی تھی۔ اس رات میں تکیے پر سر رکھ کر خوب روئی۔ اتنا روئی کہ سانسیں بے ترتیب ہو گئیں۔ میں نے امی کو بہت یاد کیا۔ بہت۔۔۔ بہت ہی زیادہ! جب میں خاموش ہوئی تو دل پھر سے پھٹنے لگا۔ میں نے دوبارہ رونا شروع کر دیا اور پھر میں چپ نہیں ہوئی، یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی۔

"بیٹا! نماز پڑھ لو۔" یہ آواز امی کی نہیں، ابو کی تھی جو میرے برابر میں بیٹھے، میرے ساتھ ہی پوری رات مجھے دیکھ دیکھ کر روتے رہے تھے۔ میں نے سر اٹھا کر انھیں دیکھا تو انھوں نے میرے آگے ہاتھ جوڑ کر مجھ سے کہا: "بیٹا! میں نے بہت کوشش کی تھی تمھاری ماں کو بچانے کی، لیکن میں ہار گیا۔" ابو کے آنسو دیکھ کر میں خود کو سمیٹ بیٹھی۔ میں نے ان کے آنسو پونچھے، پھر ہم دونوں نے اکٹھے فجر کی نماز پڑھی۔ اس دن کے بعد سے میں اور ابو ایک دوسرے کے سائے ہو گئے تھے، لیکن نہ جانے کیوں امی کا خلا کبھی پر نہ ہو سکا، پھر دادی امی گھر میں ایک دوسری بہو لے آئیں۔ وہ میری دوسری امی بننے کی کوشش کرتی تھیں، لیکن پھر بہت جلد وہ ایک چھوٹے سے منے کی اصلی امی بن گئیں۔ وہ اپنے منے کے ساتھ ساتھ میرے بھی کام کرتی تھیں، میرے ساتھ بھی اچھا سلوک کرتی تھیں، لیکن جب جب دل زخمی ہوتا، آہ بھر کر پکار اٹھتا تھا: "امی امی! آپ کہاں ہیں؟ پلیز واپس آجائیں۔ میں اب کبھی بھی آپ کو تنگ نہیں کروں گی۔"

اور پھر ایک دن۔۔۔ جب دل نے امی کو جیسے آخری مرتبہ آواز دی ہو، تب جب میں اپنے شادی کے لباس میں آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔

"اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، ایک بار آکر دیکھ لیں نا! میں اپنے شادی کے جوڑے میں کیسی لگ رہی ہوں۔ آپ جیسی لگ رہی ہوں نا!!" اپنی شادی کے دن بھی میں صبح سے شام تک روتی رہی۔ میں اکثر سوچتی تھی کہ میرے یہ آنسو کب تھمیں گے۔ کیا ماں کا بھی کوئی مول ہو سکتا ہے؟ ساری عمر بھی رو تو کم ہے، لیکن آج۔۔۔ جب میرے ہاتھ میں میری ننّھی پری آئی ہے تو میرے آنسو کسی عجیب سی مسرّت میں بدل گئے ہیں۔ یہ ننّھا سا وجود میرے دل کو تھام چکا ہے۔ مجھے میرے اندر تک روشنی دے چکا ہے۔ یہ ننّھی سی جان، جانے انجانے مجھے قوت دے رہی ہے، میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ ایک پل کو مجھے خوف نے جکڑا۔ اگر میں اسے چھوڑ جاؤں تو۔۔۔؟؟ اگر یہ بھی میرے پاس نہ رہے تو۔۔۔؟ لیکن میرے ڈرنے پر اس نے آنکھیں موندھ کر ہلکی سی مسکراہٹ دی اور اپنے نرم ہاتھ میری انگلیوں پر رکھ دیے۔ یہ ننّھی پری بڑی آسانی سے مجھے خوف کے اس چنگل سے نکال لائی۔ بس اس لمحہ نے مجھے دوبارہ زندہ کر دیا۔ اب مجھے جینا ہے۔ اپنی ننّھی کے لیے، کیوں کہ اب میں۔۔۔ ماں ہوں۔

مذاق

ملائکہ سلیمان

محسن اسکول سے گھر آ کر سلام کیے بغیر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ محسن کی امی کچن میں کھانا بنا رہی تھیں۔

اس کا یہ طریقہ دیکھ کر انھوں نے چولہے کی آنچ ہلکی کی اور اوپر کمرے کی جانب چل دیں۔

محسن جو دس سال کا ”گولو مولو“ سا بچہ تھا۔ اپنے دونوں ہاتھ کو پیالے کی صورت بنائے تھوڑی کے نیچے رکھ کر سوچنے میں محو تھا۔

”محسن! یہ کیا طریقہ ہے۔ تم سلام کیے بغیر گھر میں داخل ہو گئے اور ابھی تک تم نے یونیفارم بھی تبدیل نہیں کیا۔“ محسن کی امی اسے اب تک یوں بیٹھا دیکھ کر بولیں اور اس کا بیگ بستر سے اٹھا کر جگہ پر رکھا۔

”سوری امی جی۔“ محسن نے اپنی غلطی فوراً مان لی اور کھڑا ہو گیا۔

”کیا بات ہے بیٹا! تم پریشان لگ رہے ہو؟“ محسن کی امی اُس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر دریافت کرنے لگیں۔ ماں ماں ہوتی ہے جو اپنے بچے کو دیکھ کر ہی اُس کے دل کا احوال جان لیتی ہے۔

”امی۔۔۔“ محسن ”امی“ لفظ کہہ کر ان سے لپٹ گیا اور رونے لگا۔ وہ اب ہچکی لے کر رو رہا تھا۔

محسن کو یوں روتا دیکھ کر وہ تڑپ اٹھیں۔ محسن کی امی اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے چپ کروا رہی تھیں، مگر اس کے رونے میں کمی نہیں آ رہی تھی۔ محسن کے رونے کی آواز سن کر اس کی دادی ماں اوپر کمرے میں آ گئیں۔

”میرے بچے کیا ہوا۔۔۔؟“

”اس طرح کیوں رو رہے ہو میرے لال؟“ دادی ماں کی آنکھیں تشویش سے پُر تھیں۔

”شاہدہ یہ کیوں رو رہا ہے؟“ دادی ماں محسن کو یوں روتا دیکھ کر شاہدہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”اماں! میں خود کب سے پوچھ رہی ہوں، مگر یہ کچھ بتا نہیں رہا، بس آنسو بہائے جا رہا ہے۔“ محسن کی امی کے چہرے پر پریشانی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

”بیٹا دیکھو! تمہارے خاطر دادی ماں اتنے زینے چڑھ کر آئی ہیں، حالاں کہ ان کے گھٹنوں میں بھی درد ہے۔ اب تو بتا دو۔“ وہ محسن کے آنسو انگلیوں کے پوروں سے صاف کرتے ہوئے مدھم لہجے میں بولیں۔ محسن اپنی آنکھیں ٹپٹپا کر دادی ماں کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔

”امی اسکول میں امان نام کا ایک لڑکا ہے۔ وہ روز میرا مذاق اڑاتا ہے۔ مجھے موٹو موٹو کہتا ہے۔

میں کچھ بھی نہیں کہتا، مگر آج اس نے حد کر دی۔ اس نے پوری کلاس کو اپنے ساتھ شامل کیا اور میرا مذاق بنایا۔ آپ نہیں جانتی مجھے کتنا گلٹی فل ہو رہا تھا۔ میں موٹا ہوں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟“ اس نے ہچکیوں کے درمیان بہ مشکل اپنی بات مکمل کی۔

”یہ بہت بُرا کیا اس شرارتی بچے نے۔ تم پریشان نہیں ہو اور رونا بند کرو۔ اسکول سے آ کر تم نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ میں کل ہی تمہارے ساتھ اسکول جاؤں گی اور پرنسپل سے اس شرارتی بچے کی شکایت کروں گی۔“ محسن کی امی نے اسے تسلی دی۔

”نہیں شاہدہ! تم ایسا نہیں کرو گی۔ میں چاہتی ہوں اس بچے کو سزا نہیں بلکہ سبق ملے، تاکہ زندگی میں پھر کبھی کسی کا مذاق نہ بنائے۔“ دادی ماں کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ انھوں نے شاہدہ اور محسن کو اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ اُن کی ترکیب سن کر محسن مسکرا اُٹھا۔ اب محسن کو بے تابی سے اگلی صبح کا انتظار تھا۔

”گڈ مارننگ ٹیچر۔۔۔ گڈ مارننگ اسٹوڈنٹس، سیٹ ڈاؤن۔“ مس سحر کلاس میں آج پُرعزم کے ساتھ داخل ہوئی تھیں۔

مس سحر نے مارکر اٹھا کر بورڈ میں لفظ مذاق کو توڑ اور جوڑ کر لکھا۔ سارے بچوں کی نظریں بورڈ پر جمی ہوئی تھیں۔

”کلاس۔۔۔ آج ہمارا موضوع ہے، مذاق۔“ مس سحر کہہ کر کچھ پل ٹھہریں۔

”مذاق ایک چھوٹا لفظ ہے، لیکن اس کے فوائد اور نقصانات کافی بڑے ہیں۔ مذاق کرنے اور مذاق اڑانے میں بہت فرق ہے۔ مذاق کر کے ہم کسی بھی اُداس شخص کا موڈ خوش گوار بنا سکتے ہیں تو دوسری طرف مذاق اڑا کر ہم کسی کو بھی رُلا سکتے ہیں، دل دُکھا سکتے ہیں، جو بہت بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا کوشش کریں کہ کسی کی بھی شکل و صورت یا مجبوری کا بالکل مذاق نہ اڑائیں، کیوں کہ بنانے والی ذات اللہ کی ہے۔ بچو! آپ کو معلوم ہے، جس شخص نے کسی کا دل توڑا ہو، جب تک وہ معاف نہیں کرے گا۔ اللہ بھی اس بندے کو معاف نہیں کرے گا۔“ مس سحر کے کہے گئے الفاظ امان پر خوب اثر ڈال رہے تھے۔

امان اپنی ڈیسک سے اُٹھا اور آنکھوں میں آنسو لیے محسن کے پاس جا کھڑا ہوا۔ محسن بھی کھڑا ہو گیا۔

مس سحر خاموشی اختیار کر کے انھیں دیکھ رہی تھیں۔ جب کہ سارے بچے ہونقوں کی طرح امان کو دیکھ رہے تھے، کیوں کہ بچوں نے اسے ہمیشہ تنگ کرتے یا کبھی کسی کو ستاتے ہی دیکھا تھا۔ امان کا یہ روپ ان سب کے لیے حیرت انگیز تھا۔

”مجھے معاف کر دو محسن! میں نے تمہارے ساتھ بہت بُرا کیا۔ میں پوری کلاس کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں۔“ آنسو کے قطرے امان کے چہرے کو بھگو رہے تھے۔ محسن نے سچے دل سے اسے معاف کر دیا۔

امان نے دوستی کی نئی شروعات کے لیے محسن سے ہاتھ ملا لیا اور آئندہ کسی کو بھی تنگ نہ کرنے کا عہد کر کے خدا سے اپنی غلطی کی توبہ کر لی۔

BAITUSSALAM LABORATORY & DIAGNOSTIC CENTRE

Laboratory

X-Ray

OPD

Dental Care

Eye Care

Ultra Sound & Color doppler

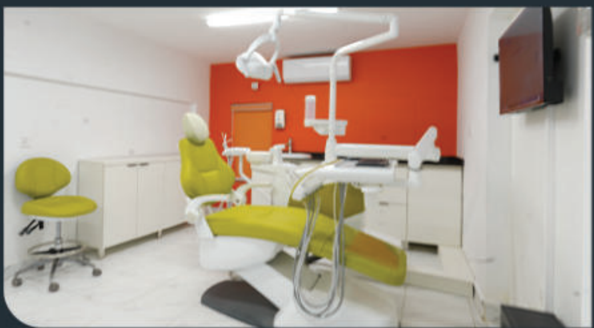

+92 21 35392634 +92 334 2982988 lab@baitussalam.org

احساسِ محرومی

زوجہ عبدالرحمٰن

ذیشان اور روبینہ کی شادی کو تقریباً تین سال ہو چکے تھے۔ دونوں میں محبت بھی تھی، تفاہم بھی اور زندگی کے نشیب و فراز کے باوجود ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کی کوشش بھی۔ ذیشان ذمے دار شوہر تھا۔ گھر کا خرچ، بچوں کا خرچ، کھانا پینا روبینہ کی ہر ضرورت وہ دل و جان سے پوری کرتا تھا مگر۔۔۔ روبینہ کے دل کے کسی کونے میں "ایک چھوٹی سی خواہش، ایک "احساسِ محرومی "ہمیشہ دبی رہتی، وہ تھی "اپنا ذاتی جیب خرچ"۔ خواہش اتنی بڑی نہیں تھی کہ گھر میں طوفان مچایا جاتا نہ ہی اتنی چھوٹی تھی کہ دل پر بوجھ نہ بنتا۔

ایک دن روبینہ کی نند صائمہ اس کے گھر آئی اور گھر کے قریب مارکیٹ تک جانے کی خواہش ظاہر کی، روبینہ انھیں کچھ نہ کہہ سکی اور مان گئی۔ اپنا پرس لے کر وہ صائمہ باجی کے ساتھ مارکیٹ تو آ گئی، مگر خریدا کچھ بھی نہیں۔ اسے یوں خاموش کھڑا دیکھ کر صائمہ بولی: "بھابھی آپ بھی دیکھیں نا!! دیکھیں یہ سوٹ کتنا پیارا ہے، آپ پہ تو اور بھی پیارا لگے گا۔" صائمہ باجی کی آواز میں محبت بھری ہوئی تھی، مگر روبینہ نے مسکرا کر نم آنکھوں سے جواب دیا۔

"باجی! سوٹ تو بہت پیارا ہے، مگر مجھے ضرورت نہیں ہے۔" صائمہ اس کی بات سن کر پھر سے کپڑوں کی طرف متوجہ ہو گئی، جبکہ روبینہ کو دو دن پہلے کا واقعہ یاد آیا، جب اس نے ذیشان سے کزن کی شادی کے لیے آن لائن کپڑے پسند کر کے خریدنے کا کہا تو ذیشان نے کہا تھا: "تم سمجھنے کی کوشش کرو، اس مہینے بہت خرچہ ہوا ہے۔ ویسے بھی تمہارے پاس تو اتنے سارے کپڑے پڑے ہیں اور ہم نے ابھی سارہ (بیٹی) کی اتنی ساری شاپنگ کی ہے۔" اس کی بات سن کر روبینہ خاموش رہ گئی۔

بازار سے بہت سا سامان خرید کر صائمہ واپس گھر آئی تو وہ بھی ساتھ ساتھ خاموشی سے چلتی رہی۔ اپنے کمرے میں آ کر خالی پرس الماری میں رکھتے ہوئے دو آنسو اس کے گالوں پر لڑھک گئے۔

رات بستر پر گہری نیند سوئے ذیشان کے چہرے کو دیکھ کر روبینہ سوچ میں گم تھی۔ میں ذیشان کی ہر چیز کا خیال رکھتی ہوں کھانا، کپڑے، گھر، ضرورتیں، بچے ہر کام اپنے جذبے اور محبت سے کرتی ہوں، پھر کیوں یہ میرے لیے ویسا جذبہ ویسی محبت نہیں رکھتے۔

اسے شادی سے پہلے کے دن یاد آئے، جب وہ ایک اسکول میں پڑھاتی تھی۔ خود اعتمادی، مسکراتا چہرہ، اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشات خود پوری کرنا، اپنے خرچے خود پورے کرتی، اپنی پسند کے کپڑے لیتی، دوستوں کو تحفے دیتی، بہن بھائیوں امی ابو کو تحفے دیتی۔۔۔ وہ دن سوچ کر نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

اب تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ شادی کے بعد شہر ہی نہیں، صوبہ بھی بدل گیا تھا۔ یہاں آ کر اس نے دوبارہ سے نوکری کا سوچا ہی نہیں۔ نئے لوگ، نئی ثقافت پھر اوپر سے پریگننسی اور بیٹی کی پیدائش سب چیزوں میں وہ بہت مصروف ہو گئی تھی۔ ذیشان نے ہر چیز کا ہمیشہ خیال رکھا، سوائے اس کی پسند کے! وہ کپڑے خریدتا خواہ روبینہ کے لیے یا سارہ کے لیے، کسی کو تحفہ دینا ہوتا تو ہر چیز ذیشان کی پسند

اور اس کی خواہش سے ہوتا، گویا روبینہ ایک روبوٹ ہو سوچتے سوچتے کب وہ نیند کی وادی میں چلی گئی، اسے احساس تک نہ ہوا۔

اگلی صبح روبینہ خاموشی سے ناشتا کر رہی تھی، جب ذیشان نے محسوس کیا کہ خلافِ معمول روبینہ بہت خاموش ہے۔ "روبینہ!" اس نے اسے اپنی طرف متوجّہ کرتے پکارا۔

"جی!" روبینہ نے کھوئے لہجے میں جواب دیا۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟ کوئی بات ہے تو بتاؤ! اتنی خاموش کیوں ہو؟"

"نہیں!" اس نے شان کے پے در پے سوالوں کو سن کر یک لفظی جواب دیا۔

"تمہاری امی کی طرف سب ٹھیک ہیں؟ امی ابو بہن بھائی؟" ذیشان اس کے چہرے کو دیکھ کر پریشان کن لہجے میں بولا۔

"الحمدللہ، سب خیریت سے ہیں! آپ ناشتا کریں۔" وہ کپ میں چائے ڈالتے ہوئے بولی اور اٹھنے لگی۔

"اِدھر بیٹھو! یقیناً کوئی بات ہے، ورنہ تم ایسی تو نہیں ہو۔" ذیشان نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر واپس بٹھاتے ہوئے کہا۔

روبینہ نے ہمت جمع کی، لیکن آواز پھر بھی کھوئی ہوئی تھی وہ گویا ہوئی: "ذیشان! آپ گھر کا بہت خیال رکھتے ہیں، میں اس کے لیے شکر گزار ہوں۔ بس۔۔۔ ایک بات سوچ رہی تھی۔" اس نے جھکی نظروں کے ساتھ کہا۔

"ہاں! ضرور کہو۔"

ذیشان کے کہنے پر ہمت بندھا کر بولی: "میں شادی سے پہلے خود مختار تھی تو کبھی مجھے اپنی ذاتی ضرورت کے لیے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں پڑی، مگر اب چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے آپ کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ آپ سے کہوں تو آپ کو ضروری لگے تو لا دیتے ہیں، نہ لگے تو انکار کر دیتے ہیں۔ ہر بار میں سوچتی ہوں، مانگتے ہوئے کیسی لگوں گی؟" اس کی آواز لرز رہی تھی اور آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ مجھے لگتا ہے میں ایک بوجھ ہوں جو میں بننا نہیں چاہتی۔ یا آپ کو لگے گا کہ میں فضول خرچ ہوں۔۔۔ مگر میرا بھی دل ہے ذیشان!!!" میرا کبھی بھی کچھ بھی کھانے کو دل کر سکتا ہے، یوں ہی کبھی کچھ پسند آ سکتا ہے، کیا میرا دل نہیں کرتا کہ میں اپنی پسند کی کوئی چیز خریدوں؟؟؟ میں آپ سے محبت کرتی ہوں ذیشان!! لیکن کبھی کبھی لگتا ہے اب میں وہ روبینہ نہیں رہی۔۔۔ میں اپنی مرضی سے ایک چاکلیٹ تک نہیں خرید سکتی، کپڑے جوتے تو دور کی بات ہے۔ اب لگتا ہے ہر چھوٹی خواہش، ہر خواب جیسے قید ہو گئی ہوں۔

میں بوجھ نہیں بننا چاہتی، مگر عورت کے لیے پانچ سو، ہزار، دو ہزار روپے پاس ہونا کبھی کبھی بہت معنی رکھتے ہیں۔

صرف پیسے نہیں۔۔۔ احساسِ خودداری کہ میں بھی اپنے اوپر کچھ خرچ کر سکوں۔ کبھی خود کو میری جگہ رکھ کر سوچیں آپ!!

ذیشان کا دل اپنی جگہ ہل کر رہ گیا۔۔۔ روبینہ اٹھ کر جا چکی تھی، مگر ذیشان کو گہری سوچ میں مبتلا کر کے! ذیشان نے پہلی بار خود کو اس کی جگہ رکھ کر سوچا اگر اسے ہر بار کوئی چیز خریدنے کے لیے اجازت مانگنی پڑے؟؟

اگر جیب میں ایک روپے بھی نہ ہو اور ہر بار دوسروں سے مانگنا پڑے؟؟

سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سانچے میں ڈھل کے دیکھ

امّ ایشاع

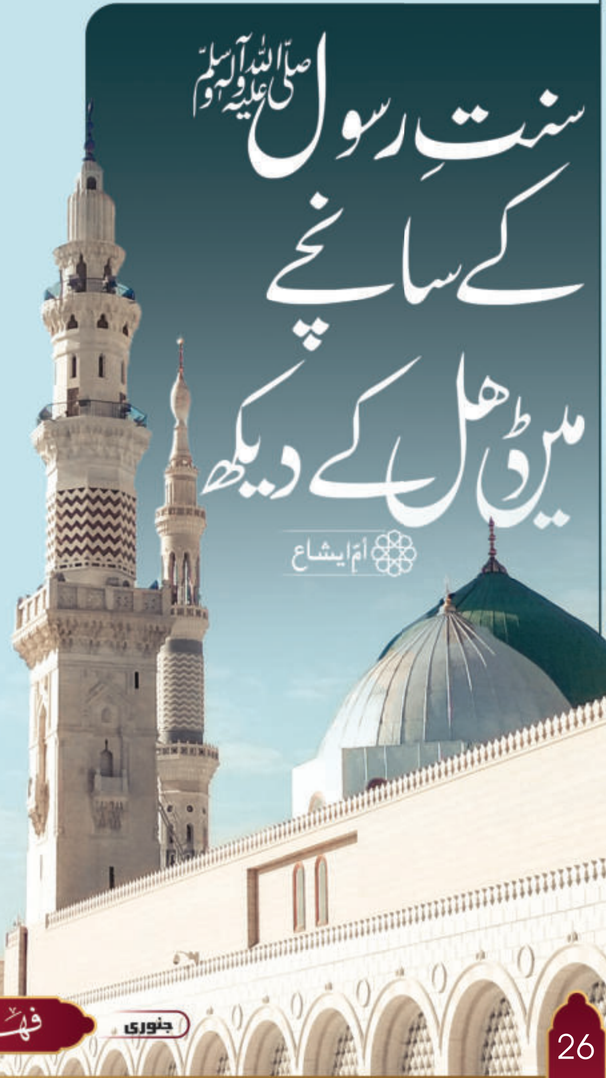

کل وہ مجھے ملیں تو ان سے بڑی تفصیل سے بات ہوئی، میں نے کہا: آئیے! آج ہم ان سنتوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو ہم سے چھوٹ گئی ہیں، یعنی وہ سنتیں جو شہید ہو گئی ہیں تو بڑے ملال سے بولیں کس زخمی دل کو چھیڑ دیا ہے پیاری! آج بھلا سنتیں رہ ہی کہاں گئی ہیں۔ کھانے پینے سونے جاگنے اور دن بھر کے چھوٹے موٹے معمولات کی سنتیں بھی ٹھیک طرح سے زندگی میں شامل نہیں، کجا کہ بڑے معاملات۔۔۔"

"ارے پیاری! یہاں تو ڈھیر لگا ہے ان مجروح سنتوں کا جنھیں کوئی پوچھتا بھی نہیں آج۔" وہ بڑے ہی دُکھ بھرے لہجے میں بول رہی تھیں یا پھر یہ موضوع ہی ایسا تھا جس نے انھیں آزردہ کر دیا تھا۔

کہنے لگیں: سب سے پہلے تو ہم نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی سادہ زندگی گزارنے کی سنت کو چھوڑ دیا۔ عیش و عشرت، دکھاوا، نمائش، مادّیت پرستی میں بُری طرح پڑ چکے ہیں۔ کوئی خال خال ہی ہو گا جو نبی علیہ السّلام کی اس سنت کو زندہ کر رہا ہو گا کہ اپنی زندگی سادہ طریقے سے گزارے، کم سے کم پر قانع ہو جائے۔ تمھیں پتا ہے ہمارے پیارے نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ "آرام طلبی اور عیش پرستی سے بچتے رہنا، بے شک اللہ تعالیٰ کے خاص بندے عیش پرست نہیں ہوتے۔" لیکن ہم نے تو اپنے لیے ہر عیش و عشرت کی چیز لازم کر رکھی ہے۔ یہ سوچ کر کے دین میں منع تو نہیں، جائز ہے۔ اپنی ان بودی دلیلوں کے سامنے کبھی یہ نہیں سوچا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنّت اور ان کا طرزِ زندگی ہمیں کیا درس دیتا ہے۔ وہ جن کے بدنِ مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ جایا کرتے تھے، وہ جو کہا کرتے تھے: مجھے دنیا سے کیا مطلب! اس دنیا میں میری مثال تو اس مسافر کی سی ہے جو ذرا سی دیر کو ستانے کے لیے کسی درخت کے نیچے ٹھہرا اور پھر اسے چھوڑ کر اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

یہ دنیا صرف ایک سرائے ہے، گزرگاہ ہے، یہ منزل نہیں ہے۔ وہ شخص بے وقوف ہے جو اسی کو بنانے سنوارنے میں لگا رہے اور آگے کی زندگی سے غافل ہو جائے۔

آج تم دیکھتی ہو کہ ہم دنیا پرستی میں کس قدر مبتلا ہیں۔ ہمارے کھانے پینے کی عادات ہی دیکھ لو۔ زیادہ کھانے کی وَبا کس قدر عام ہو گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا کھانا کس قدر سادہ تھا، ایک دن کھایا ایک دن چھوڑ دیا۔ کبھی بکری کے دودھ پر گزارا ہے کبھی کھجور پر۔

کبھی ہم نے سوچا! کہ چلو آج اپنے مرغّن کھانے چھوڑ کر صرف دودھ یا کھجور یا بھنے چنوں پر ہی گزارا کر لیں!!

کبھی ہم نے سوچا! کہ روٹی، زیتون کے تیل یا چلو دیسی گھی کے ساتھ ہی لگا کر کھا لیں۔ سالن کے بغیر تو روٹی ہمارے حلق سے نہیں اترتی۔

نبی ﷺ نے ساری زندگی جَو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی اور ہم گندم کی نرم ملائم روٹیاں کھانے والے ایسے ہیں کہ کبھی صرف سنّت پوری کرنے کی نیت سے بھی زندگی میں ایک بار، صرف ایک بار بھی وہ سخت جو کی روٹی زیتون کے تیل سے کھانے کی کوشش تو دور کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا۔

کیا تعلیمات تھیں ہمارے نبی ﷺ کی اور کیا ہو گئے ہم۔۔۔ افسوس!

اماں عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ "رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں نے کبھی دو دن متواتر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی، یہاں تک کہ حضور اس دنیا سے اٹھا لیے گئے۔"

اور فرمایا کہ "کاشانۂ نبوت میں دو دو مہینے گزر جاتے تھے اور چولہا گرم نہیں ہوتا تھا کہ کچھ پکانے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔ بس کھجور، پانی یا کبھی کبھار پڑوس سے آ جانے والے بکریوں کے دودھ پر گزارا تھا۔"

نبی کریم ﷺ کی روشن زندگی سے ہمیں دو وقت کھانے کی تعلیمات ملتی ہیں، مگر ہم دن میں چھ دفعہ کھاتے ہیں۔ صبح ناشتا، پھر گیارہ بجے کچھ ہلکا پھلکا، پھر دوپہر کا کھانا، پھر شام کی چائے کے ساتھ کچھ لوازمات، پھر رات کا کھانا، پھر دیر رات چائے کافی سے شغل کرتے رہنا اور مہمان آ جائیں تو ریفریشمنٹ کے نام پر ان کے ساتھ بھی کھانا۔۔۔ ایسے میں کیوں یاد نہیں آتی ہمیں اپنے نبی ﷺ کی سادہ زندگی، آخر کیوں؟

کہاں چلے گئے میرے نبی کریم ﷺ کے پیر اور جمعرات کے روزے؟ آج کوئی جانتا بھی ہے اس سنّت کو؟

ایّامِ بیض (یعنی ہر ماہ چاند کی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ) کے روزوں کا کسی کو پتا نہیں ہوتا۔ ایّامِ بیض کا نام بھی لو تو حیرت سے پوچھتے ہیں، یہ کیا ہے؟

تہجد کی سنّت ہم سے پوری نہیں ہوتی۔ نمازوں میں خشوع و خضوع ہم سے نہیں لایا جاتا۔ اشراق اور چاشت تو دور کھڑی حسرت سے دیکھتی ہیں۔ ہم آج کے مسلمانوں کو جن سے فجر نہیں پڑھی جاتی، وہ اشراق کا حسن اس کی محبت اس کی افادیت کیا جانیں۔

اپنے پڑوسیوں کا حال احوال لینا، ان کی خبر گیری کرنے کی سنّت کو چھوڑ دیا۔ بھول گئے کہ رسول اللہ ﷺ کیا فرما گئے تھے کہ جبرائیل علیہ السّلام نے مجھے پڑوسی کے حقوق کے بارے میں اس قدر تاکید کی کہ مجھے خدشہ ہوا جبرائیل پڑوسی کو وارث بنا کر چھوڑیں گے۔

لیکن ہم اس سنّت کو بھی بھول گئے۔

پڑوس کے لوگ اور غریب رشتے دار اپنی بنیادی ضرورتوں کے لیے ترس رہے ہوتے ہیں، مگر

کوئی جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کو یاد رہتا ہے کہ ان کا بھی ہم پر کوئی حق ہے۔

اور میرا سب سے بڑا دردِ دل یہ آج کل کی شادیاں ہیں۔ کس قدر دھوم دھڑاکے سے ہو رہی ہیں۔ کہاں گئی میرے نبی ﷺ کی سنت کہ مسجد میں نکاح ہو جائے اور لڑکی مناسب تیاری کے ساتھ اپنے سسرال بھیج دی جائے۔

اب تو جو لوگ سادگی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، وہ بھی بڑے بڑے ہال بک کرتے ہیں۔ بیش بہا قیمتی کپڑے، میک اپ اور زیورات۔۔۔ خاندان کی اکثر خواتین کا پارلروں سے تیار ہونا۔ منٹ منٹ میں سیلفی لینا، اِترانا، شوبازیاں کرنا۔

اور نہ جانے کیا کیا خرافات ہیں جو احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہیں اور اس پر کہنا کہ ہم شادی، سادگی سے ہی تو کر رہے ہیں۔

میرے کلیجے میں آگ لگتی ہے، ان کی اس طرح کی باتیں سن کر اور اس طرح کی شادیاں ہوتے دیکھ کر۔

کہاں گیا میرے نبی ﷺ کا طریقہ کہ صحابہ نکاح کر لیتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو بعد میں خبر ہوتی تھی اور آج دیکھو تو پوری پوری برادری، دوست احباب تمام رشتے دار سب کو بلانا ضروری! ہر کسی کو اپنی ناک یا پھر اپنی عزت و انا کی پڑی ہے۔ کوئی میرے حبیب ﷺ کے سادہ اور پُر وقار طریقے پر سستی ترین شادی کرنے کے لیے تیار نہیں۔

میرے نبی کریم ﷺ کی لختِ جگر فاطمۃ الزہرا سے بڑھ کر کس کی عزت ہو سکتی ہے بھلا۔۔۔!! مگر اس دوجہاں کی شہزادی کی شادی کتنی سادگی سے انجام پائی۔۔۔ مگر افسوس، صد افسوس! کہ آج اس واقعے سے کوئی سبق نہیں سیکھتا۔ ہمارے لیے ہمارے نبی ﷺ کی سنّت اور ان کے اعلیٰ و ارفع طریقوں سے بڑھ کر خود ہماری اپنی جھوٹی شان بان آن زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

بس دنیا دنیا اور صرف دنیا۔۔۔! بس اسی کی واہ واہ چاہنا، اسی کے لیے سوچنا اور اسی کے لیے رات دن کوشاں رہنا۔ ہم نے آخرت کی فکر چھوڑ دی، اپنے نبی برحق کی کتنی بڑی سنّت کو اپنے ہاتھوں ذبح کر دیا۔۔۔ آج ہمارے لیے صرف دنیا اہم ہے، دنیا کی فکریں ہیں، اسی کی منصوبہ بندیاں ہیں۔ ہم بھول گئے یہ دنیا دھوکے کا گھر ہے، مچھر کا پر ہے، مکڑی کا جالا ہے۔ آنکھ بند ہوتے ہی سب کچھ ہاتھ سے چلا جائے گا۔ صرف اپنے اعمال بچیں گے جو ساتھ جائیں گے، لیکن اس کے باوجود بھی ہم دنیا میں مگن ہیں! آخرت کا نہیں سوچتے۔ اپنی موت کو یاد نہیں کرتے۔ موت کا ذکر تک اپنی محفلوں میں پسند نہیں کرتے۔ میرے نبی ﷺ کی کتنی عظیم سنّت سے ہم نے پیٹھ پھیر رکھی ہے۔ وہ جو کہا کرتے تھے "موت کو کثرت سے یاد کیا کرو، بے شک موت کی یاد، لذّتوں کو توڑ دینے والی ہے۔" مگر آج ہم سب اپنی موت کو بھلائے بیٹھے ہیں۔ سامنے سے کوئی جنازہ گزرتا ہے تو کوئی عبرت نہیں پکڑتے کہ ایک دن ہمارا بھی جنازہ اسی طرح جا رہا ہوگا۔

ہم نے اپنے رسول ﷺ کی ساری ہی سنّتوں کو چھوڑ دیا ہے، وہ سنّتیں جو آج قائم ہوتیں تو دنیا میں انقلاب لے آتیں، کیوں کہ ہم نے قرآن کی اس آیت کو بھلا دیا ہے۔۔۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

"آپ کہیے! اگر تم اللہ سے محبت کے دعویدار ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تمھیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔"

یعنی مغفرت چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی طلب ہے تو رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور تابعداری کرنی پڑے گی۔ ہاں، ہاں! اپنی چاہت اپنی خواہشِ نفس اور اپنی انا کو قربان کر کے ہر کام سنّتِ رسول ﷺ کے مطابق کرنا ہوگا، تب کہیں جا کر زندگی کامیاب ہوگی، ربّ کی رضا اور محبت ملے گی۔

مگر ہم کہاں بھاگ لیے۔۔۔ واللہ! ہمارے دنیا کے دھندے ہی ختم نہیں ہوتے۔ ہمارے پاس تو رسول اللہ ﷺ کی سنّتوں کا تذکرہ کرنے کی بھی فرصت نہیں ہے اور جب کوئی کرتا ہے، کوئی یاد دلاتا ہے تو ہم کیسی بے نیازی اور بے حیائی سے کہتے ہیں کہ "صرف سنّت ہی تو ہے۔" سنّتِ رسول ﷺ کی اس بے توقیری پر ہمارے دل بھی نہیں دہلتے۔

بہت کچھ ہے میرے پاس کہنے کو! بہت ٹیسیں اٹھتی ہیں اس دل سے۔۔۔! مگر۔۔۔، مگر اب یارا نہیں! اب دل بہت چھلنی ہو گیا ہے۔ سوچتی ہوں۔۔۔ ہم کس منہ سے روزِ قیامت ان کا سامنا کریں گے!!

بہت ہی تھکن اور حسرت زدہ لہجے میں یہ کہہ کر وہ ہچکیوں سے رونے لگیں۔۔۔ اور میرے پاس بھی بہتے اشکوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

بقیہ

احساسِ محرومی

اگر اچانک کسی ایمرجنسی کی صورت میں وہ خالی جیب ہو اور اسے انتظار کرنا پڑے؟؟

کیا وہ برداشت کر پاتا؟؟ اس کے اندر بہت کچھ عجیب ہونے لگا۔ روبینہ کی آنکھوں کا دھندلا سا خوف، ان میں موجود نمی، ان کی خاموشی اور لرزتی آواز۔ سب گویا ذیشان کے دل پر نقش سا ہو گیا تھا۔

وہ آہستہ سے اپنی جگہ سے اُٹھا ٹیبل سے اپنا بٹوا اٹھایا، اس میں سے پانچ پانچ ہزار کے چند نوٹ نکال کرلے جا کر روبینہ کے ہاتھ پر رکھے اور بولا: یہ صرف پیسے اور کوئی احسان نہیں ہے۔۔۔

تمہاری آزادی، تمہاری خوشی اور تمہارا حق ہے۔

تمہاری چھوٹی چھوٹی خواہشات کو پوری کرنے کی اُمید۔۔۔

مجھے افسوس ہے کہ میں نے پچھلے تین سالوں سے تمہیں اذیت میں رکھا، میں سمجھ نہ سکا۔۔۔

تم میری شریکِ حیات ہو، محتاج فقیر نہیں ہو، نا ہی کوئی ملازمہ ہو۔

روبینہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

آج سے ہر مہینے تمھیں تمہارا جیب خرچ ملے گا۔ تم جس پر چاہو خرچ کرو، کبھی یہ نہ سوچنا تم مجھے بوجھ لگتی ہو۔ تم میری زندگی کا سکون ہو، ذمہ داری ہو بوجھ نہیں! ذیشان نے روتی روبینہ کے گرد بازو پھیلا کر اسے خود سے لگا لیا۔

ہر گھر میں ایسے کئی احساسات چھپے ہوتے ہیں، بس بات کرنے کا سلیقہ اور سننے سمجھنے والا دل ہونا چاہیے۔ جیب خرچ صرف رقم نہیں ہوتا۔

یہ عورت کی خودداری، آزادی، چھوٹی خوشیوں اور ازدواجی احترام کا نام ہے جو شوہر بیوی کو یہ حق دیتا ہے، وہ صرف خرچ نہیں دیتا اپنے دل کی وسعت، سوچ کی پختگی، بہترین تربیت، اپنی محبت اور ذمے دار ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔

قدرت کا شاہکار

سیدہ ناجیہ شعیب احمد

غالباً بات ہو رہی تھی شاہکار کی۔ ہم قریب ہی میاں صاحب کے کپڑے استری کرنے میں مصروف تھے۔

ہمارے صاحب بستر پر نیم دراز ہو کر ہاتھ میں موبائل تھامے کسی دل جلے کی تحریر باآواز بلند ملاحظہ فرما رہے تھے: عورت وہ واحد ''معمّہ'' ہے، جسے حل کرنے کی کوشش میں بہترین ریاضی دان بھی اکثر اپنی ذہنی صحت و قیمتی صلاحیتوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، کیوں کہ جیسے ہی لگتا ہے کہ آپ سمجھ گئے، وہ فوراً نیا رخ اختیار کر لیتی ہے۔

اس شاہکار کی سب سے بڑی خوبی اس کی فنکاری ہے؛ بات شروع کہیں سے ہو گی، درمیان میں ساس کا ذکر آئے گا اور اختتام اس بات پر ہو گا کہ آپ پچھلے ہفتے مجھے گھمانے کیوں نہیں لے گئے تھے؟

''عام طور پر لوگ اونچی آواز اور شور شرابے سے گھبرا جاتے ہیں، مگر اس 'قدرت کے شاہکار' کی مکمل خاموشی دراصل آنے والے بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے، جس کی شدّت کا اندازہ لگانا اچھے اچھوں کے بس میں نہیں ہوتا۔''

قدرت نے صبر و برداشت جیسی صفات کا سارا کوٹہ غالباً صرف مردوں کے لیے مختص کر دیا تھا، تاکہ وہ اس ''شاہکار'' کے نت نئے انداز بخوبی برداشت کر سکیں!

بس اب اور نہیں صاحب! ہم نے استری باقاعدہ پٹخی۔

اور بولے: ''آپ بھول رہے ہیں کہ عورت کو واقعی قدرت کا ایک شاہکار قرار دیا جا سکتا ہے، جب ہم اس کی تخلیق میں موجود خوب صورتی، پیچیدگی اور طاقت پر غور کریں۔ اس شاہکار کو سمجھنے کے لیے صرف سطحی مشاہدہ کافی نہیں، بلکہ اس کی اندرونی قوت، جذبات اور کردار کی تعریف ضروری ہے۔

کہتے ہیں عورت ایک فن پارہ ہے، لیکن۔۔۔ افسوس یہ ہے کہ دنیا نے اسے ہمیشہ صرف ''کام والی فنکارہ'' سمجھا ہے۔

اب دیکھ لیجیے! ہماری صبح کی ابتدا چولہا جلانے سے ہوتی ہے، بچوں کے پوتڑے دھلانے سے ہوتی ہے اور اختتام تب ہوتا ہے جب برتنوں کی کھنک اور نیند کے جھونکوں میں دل چپکے سے سکون مانگتا ہے۔ ہر عورت کے اندر ایک ''شاہکار'' چھپا ہوتا ہے۔

بس فرق یہ ہے کہ کچھ عورتیں اسے نت نئے پکوانوں میں ظاہر کرتی ہیں، کچھ فیشنی لباسوں میں، اور کچھ زیادہ دلیر خواتین موبائل فون کے استعمال میں وقت اور صحت کے ساتھ اپنی متاعِ عزیز عزّت و آبرو بھی داؤ پر لگانے پر تلی ہوئی ہیں۔۔۔ بس یہی ایک دُکھڑا ہے ہمارا کہ ایک گندی مچھلی نے سارے تالاب کو گندا کر دیا۔

نازیہ پیشہ ور ماہرِ درزن ہے۔ گھر کے کام کاج کرنے کے ساتھ ساتھ کمانے کی ذمہ داری کا بوجھ بھی اپنے ناتواں کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے۔ کہتی ہے، ''عورت اللہ کی وہ پھرتیلی مخلوق ہے، جو صبح انڈا تلتے ہوئے، آنکھ میں کاجل لگا سکتی ہے، جھاڑو لگاتے ہوئے لپ اسٹک بھی!''

اور سچ پوچھیے تو یہی کمال ہی تو عورت کو شاہکار بناتا ہے۔

اب رہی بات ''حُسن'' کی تو جناب۔۔۔!

شومئی قسمت سے حسن بنتِ حوا اب فطری نہیں، مصنوعی ہو گیا ہے۔

پہلے عورتیں آئینے میں خود کو دیکھ کر کہتی تھیں:

''اللہ! آج چہرہ اُترا اُترا لگ رہا ہے!''

آج کی بچیاں موئے موبائل میں تصویر کھینچ کر اپنی بھدی شکل، موٹی ناک کی نوک پلک سنوار کر کہتی ہیں: ''واہ! یہ تو کمال ہو گیا!'' ہمارے زمانے میں دلہنوں کا ایک سُرخی، کاجل اور پاؤڈر سے کام جاتا تھا اور اب تو بہ میک اَپ سے لڑکی کی شکل ہی بدل جاتی ہے۔

حقیقت سے پردہ تو تب اٹھتا ہے، جب شادی کی صبح دلہنیا اپنا سارا حُسن و جمال صابن سے دھو کر اپنے اصلی روپ میں سامنے آتی ہے۔۔۔ اس وقت دلہا بھائی کا ضبطِ کمال دیدنی ہوتا ہے۔

اب تو حال یہ ہے کہ خواتین کا اصل مقابلہ امورِ خانہ داری میں نہیں، لگائی بجھائی میں بھی نہیں، بلکہ سوشل میڈیا پر فعال اور متحرک رہنے میں زیادہ ہوتا ہے۔

کوئی لکھتی ہے ''آج میں نے بنائی بریانی'' اور تصویر میں بریانی نہیں، صرف گلدان اور میز دکھائی دے رہی ہوتی ہے، کیوں کہ اصلی بریانی تو ویڈیو بنانے کے چکر میں جل گئی۔

ایک دن پڑوسن کے میک اَپ زدہ چہرے کو دیکھ کر ہماری ساس امی نے ان کی شان میں چند جملے کہہ دیے، محترمہ فوراً نتھنے پھلا کر بولیں: ''میک اَپ سے میں اپنی خود اعتمادی بڑھاتی ہوں۔''

ہم زیرِ لب بڑبڑائے: ''اں اور ناک بھی بڑھا لیتی ہو، لیپا پوتی کی تہوں کے ساتھ!''

اصل مزاح تو تب ہوتا ہے جب گھر میں غیر متوقع طور خاص مہمان آنے کی اطلاع موصول ہو جائے، اس وقت اُول جُلول حلیے والی عورت اس لمحے دنیا کی سب سے منظّم مخلوق بن جاتی ہے۔

ایک ہاتھ میں جھاڑو، دوسرے میں لپ اسٹک۔

گھر کی تزئین و آرائش کے ساتھ ساتھ اپنی اور بچوں کی زیبائش و آرائش کا کام بھی جاری، ساتھ لبوں پہ حرفِ دعا ''یا اللہ! بس عزّت رکھ لیجیے گا آج! برتن یا رشتے، دونوں میں سے کوئی بھی نہ ٹوٹے!''

مہمانوں کے سامنے تو سب کچھ ''عمدہ و مثالی'' ہونا چاہیے نا، چائے گرم، کپ صاف، بچے پُرسکون، شوہر مطمئن، اور وہ خود؟

بس تھکی ہوئی، مگر مسکراتی ہوئی شاہکار تصویر۔۔۔ شوہر صاحب کا دباد باشکوہ موصوف فرماتے ہیں: ''یار، جب دیکھو تم مصروف نظر آتی ہو؟''

میں تنگ کر کہتی ہوں: ''میاں جی! عورت کا کام کبھی ختم نہیں ہوتا، عورت ختم ہو جاتی ہے۔''

ساس فکرمند لہجے میں کہتی ہیں: ''ہائے، میری بچی! آج کل بہت چپ چپ رہنے لگی ہے''

اب میں کیا کہوں کہ ساسوماں، عورت کی زبان اگر خاموش ہو بھی جائے تو دماغ کھچڑی پکا رہا ہوتا ہے! ناچیز کو فرصت کسی صورت میسّر نہیں۔

کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ دنیا کو بتاؤں!

عورت کا ہر دن ایک کمالِ فن کا نمونہ ہوتا ہے۔ چولہے پر دُودھ ابلتا ہے، دل میں جذبات، دماغ میں حساب کتاب اور آنکھوں میں سنہرے خواب سب ایک ساتھ ہلچل مچائے رکھتے ہیں۔ یہ کوئی عام زندگی نہیں، اس کے کام کرنے کی رفتار اور قابلیت ایسی ہے کہ روبوٹ بھی اس کی کثیر الجہتی صلاحیتوں سے شرما جائے۔

کشمیر کہانی

بنت مسعود احمد

"ابّا! اس بار جب آپ شہر جائیں تو میرے لیے ڈھیر ساری ٹافیاں اور چاکلیٹس لے کر آنا۔"

ابھی اس نے جملہ ختم ہی کیا تھا کہ اماں بول اٹھیں، "ہاں اور کوئی فرمائش نہیں ہے ننھی بچی جیسی!" اماں کو جانے کیوں اس پر تاؤ آ گیا۔

"ارے نیک بخت! کیوں خواہ مخواہ بچی پر ناراض ہوتی ہو؟" اکرم نے بیٹی کی طرف داری کی۔

"مجھے غصہ اس بات کا ہے کہ اس کی عمر کی ساری بچیاں سمجھ دار ہو چکیں ہیں اور ایک یہ بی بی منی سی بنی بیٹھی ہے۔ وادی کے حالات تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اسے ہر طرح سے چوکنا اور ذہنی طور پر بیدار رہنا چاہیے۔"

"یہ اس وادی میں پیدا ہوئی ہے تو اس کا قصور کیا؟ بارہ سال کوئی ایسی بڑی عمر تو نہیں۔"

"یہ جس طرح باہر جانے اور فضول فرمائشیں کرتی ہے، اسے چمنِ حالات کی سنگینی کا کچھ ادراک نہیں۔" اماں کی باتوں سے اداس بیٹی کی اتری صورت دیکھ کر وہ بولے۔

"منزہ، جاؤ! میرے لیے قہوہ بنا لاؤ۔"

"میں لے آؤں گا تمہاری ڈھیر ساری من پسند چیزیں!" وہ اماں کی نا سمجھ آنے والی باتوں سے الجھی فوراً وہاں سے اٹھ گئی۔

"دور، مخملی گھاس سے ڈھکے ٹیلے پر جو ایک گہرے سبز رنگ کا سایہ دار پیڑ ہے، مجھے وہاں جانا ہے۔۔۔ میں سورج کو ہر شام وہاں سے ڈوبتے دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس کے دل میں بس ایک ہی خواہش پنپتی تھی۔

وہ کھڑکی کے پٹوں سے لگی کھڑی، اس ٹیلے کو ہمیشہ کی طرح محویت سے تک رہی تھی۔

"اماں! میں وہاں کیا صرف ایک بار بھی نہیں جا سکتی؟" وہ ڈرتے جھجکتے اپنی خواہش زبان پر لائی۔

"منزہ! تو کیوں نہیں سمجھتی کہ ہم آزاد نہیں ہیں۔" اس بار ماں نے بڑے تحمل سے بیٹی کو سمجھانے کی ٹھانی۔

"کیوں نہیں ہیں ہم آزاد؟ کس جرم کے لیے قید کیا ہے ہمیں؟"

"یہ ہماری قسمت ہے اور آزادی سے بڑھ کر عزّت ہے۔ ہم محفوظ نہیں، مگر اللہ سے دعا ہے کہ ہماری جانوں سے زیادہ ہماری عزّت سلامت رکھے۔" ماں کی بات پر وہ الجھی مگر بولی کچھ نہیں۔

"اگر میں وہاں چلی گئی تو کیا واقعی کچھ غلط ہو جائے گا؟" اس کی سوچیں وہیں گہرے سبز رنگ کے گھنے درخت کی چھاؤں میں الجھی تھیں۔ راحت نے بے چارگی سے اپنا سر پیٹ لیا۔

"یہاں عورت کا ضرورتاً بھی اپنی مرضی سے آنا جانا خطرے سے خالی نہیں اور تو ایک بے تکی خواہش دل پر سجائے بیٹھی ہے!" اس نے دُکھ سے ماں کو دیکھا۔

وہ اس کی بے ضرر سی خواہش کو بھی بے تکی کہہ رہی تھیں۔ ماں نہیں جانتی تھی کہ وہ اس نظارے کو دور سے تکتے ہوئے خود کو کتنا ہشاش بشاش محسوس کرتی ہے۔ یوں جیسے ساری گھٹن اور پریشانی کہیں ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔

مگر اماں نہیں سمجھتی تھیں۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بستر پر آ لیٹی۔ مغرب کی نماز پڑھتے ہی روشنی گل کر دی جاتی تھی اور پورے ماحول پر ایک ہیبت ناک خاموشی چھا جاتی۔

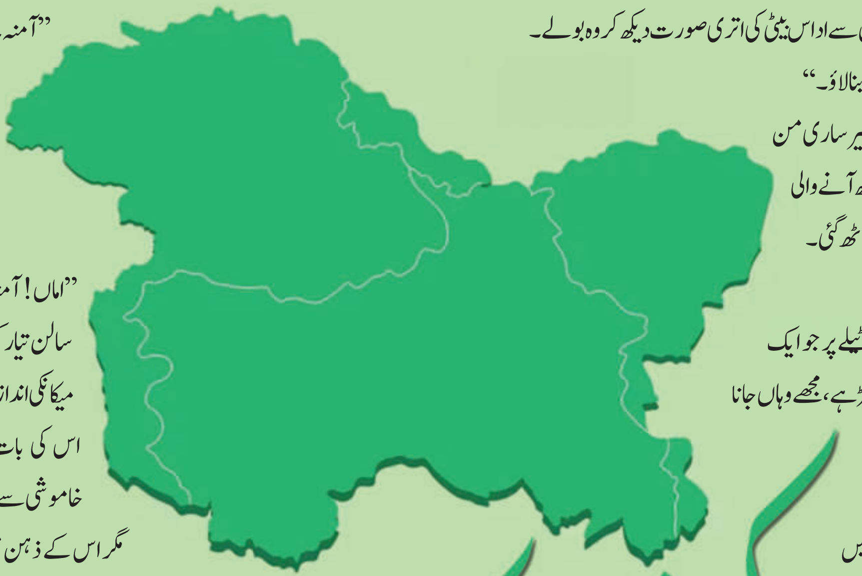

"کل رات، فردوس کی بیٹی کو اٹھا کر لے گئے وہ درندے۔" ایک کونے میں تین نفوس میں سے دو آمنے سامنے دبی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔

اور تیسری، وہ۔۔۔ دَم سادھے بستر پر پڑی تھی۔ اس کے کانوں میں فردوس کی بیٹی کی صدائیں گونج رہی تھیں۔۔۔ گویا پوری کائنات میں صرف یہ تین لفظ باقی بچے تھے۔

"آمنہ۔۔۔" اس کے ہونٹوں سے ایک تھکی ہوئی آہ برآمد ہوئی۔

اب ماں کی احتیاط اور اس کی سختی کی وجہ اسے سمجھ آنے لگی تھی۔

"اماں! آمنہ کب آئے گی واپس؟" وہ مصروف سی سالن تیار کر رہی تھی جبکہ منزّہ تھال میں آٹا ڈالے میکانکی انداز میں گوندھ رہی تھی۔

اس کی بات سن کر انھوں نے پلٹ کر دیکھا، پھر خاموشی سے دوبارہ اپنے کام میں لگ گئیں۔

مگر اس کے ذہن میں وہمات کا ایک بھنور پھر سے گھومنے لگا۔

"اماں۔۔۔ بتاؤ نا، آمنہ۔۔۔؟" وہ ان کی خاموشی سے خائف ہو کر دوبارہ بولی۔

"وہ چلی گئی ہے، اب اس کا واپس آنا ناممکن ہے۔" وہ لرزتی آواز میں بول کر چپ ہوئیں تو آنسو اس کی آنکھوں سے برسنے لگے۔

سردی کی ٹھٹھرتی ہوئی ایک رات، وحشت زدہ سنّاٹے میں گولیوں کی گھن گرج نے دلوں میں ہلچل مچا دی تھی۔ کسی انہونی کا خوف گاؤں کے ہر نفس پر طاری ہو چکا تھا۔ اس نے جھری سے آنکھ لگا کر دیکھنا چاہا تو راحت نے فوراً اسے پیچھے دھکیل دیا۔ بھاری بوٹوں کی ہلکی چاپ آہستہ آہستہ ان کے قریب آ رہی تھی۔

"اماں! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ ابّا بھی اب تک نہیں لوٹے۔" لرزتی آواز میں خوف نمایاں تھا۔

"حوصلہ رکھو۔۔۔"

"باہر نکلو!" وہ باری باری ہر کسی کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔

"اماں! دروازہ مت کھولیے گا، آپ کو اللہ کا واسطہ۔۔۔"

"وہ بجائیں گے تو کھولنا پڑے گا۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے بے چارگی سے بولی۔

"تو کونے میں خاموشی سے بستروں کے اندر دُبک جا۔" اماں کی بات سن کر وہ جیسے کسی خواب سے جاگی۔

پریشانی کے عالم میں وہ تیزی سے سلیقے سے رکھے بستروں کے اوپر لیٹی اور ماں نے ایک گدا اوپر سے دھر دیا۔ اسے لگا اس کی سانس گھٹ جائے گی۔ ماں نے ایک اطمینان بھری نظر ڈالی اور لیٰسین شریف کا ورد کرنے لگی۔

گھروں سے مردوں کو نکال کر پوچھ تاچھ کی جارہی تھی۔ بہت سے گھروں کی صرف شک کی بنیاد پر تلاشی جاری تھی۔ معاملہ تب بگڑا جب ایک مکروہ صورت والا آفیسر گھبرو جوان دلاور کی نئی نویلی بیوی کو گھسیٹ کر لے جانے پر تُل گیا۔ جوان خون جوش میں آیا، محلے والے بھی مشتعل ہو گئے۔ یہ درندے ہمیشہ اسی طرح لوگوں کو بھڑکاتے تھے، پھر ان کا وار آسان ہو جاتا۔

کچھ ہی دیر میں مخالفین نے آنسو گیس کا بے دریغ استعمال شروع کر دیا۔ ادھر برابر والے گھر میں موجود راحت کا کھانس کھانس کر برا حال تھا۔ آنسو گیس کی وجہ سے دونوں ماں بیٹیوں کا دَم گھٹ کر رہ گیا تھا۔

"ابا جانے کہاں رہ گئے؟" منزّہ منہ پر ہاتھ رکھے پریشانی سے اماں کو کھانستے دیکھ رہی تھی۔

باہر ایک الگ چیخ و پکار مچی تھی۔ اس کا سانس لینا لحہ بہ لحہ دشوار ہو رہا تھا۔

"اماں! میرا دم گھٹ رہا ہے، یہ گدا ہٹا دوں۔۔۔" وہ بمشکل بول پائی۔

راحت کھانستے ہوئے اس کی سمت آئی، جہاں سے منزّہ کی گھٹی گھٹی آواز اب پست ہونے لگی تھی۔ کہ اتنے میں دروازے پر زوردار دستک ہوئی اور جواب نہ پا کر بھاری بوٹوں سے دروازے پر ٹھوکریں پڑنے لگیں۔ وہاں منزّہ کی سانس پہلے ہی بے حال تھی، اب تو اسے الٹی سی محسوس ہونے لگی تھی۔ دروازے کو دھکے دے کر وہ سب اندر گھس آئے۔

"یہ کیا چھپا رکھا ہے؟" وہ گدا دور پھینکتے ہوئے درشتی سے بولے۔

"یہ بات ہے؟" تینوں کا شیطانی قہقہہ گونجا۔

"لے چلو اسے!" افسر نے حکم دیا۔

چیلے آگے بڑھے۔

"کیا یہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے، آمنہ کی طرح؟" لاشعور میں بیٹھا خوف اب پوری طرح جاگ اٹھا تھا۔

"نہیں۔۔۔ مجھے چھوڑ دو۔۔۔" وہ کم زور سانسوں کے ساتھ احتجاج کر رہی تھی۔

"اماں۔۔۔!" وہ بے بسی سے درندوں کے پیروں سے لپٹی، جوتوں کی نوکیں اپنی پیشانی پر سہتی ماں کو دیکھ کر پکاری۔

وقت کے فرعون ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ یکایک، موت کا مہربان فرشتہ منزّہ کی مشکل آسان کرنے کو اتر آیا۔

"یہ کیا ہوا اسے؟" ٹمٹماتے دیے کی لو یک دَم بجھی تھی۔

"لے، پکڑ اسے!" وہ منزّہ کو بے دردی سے پھینک کر واپس پلٹے۔

راحت نے اپنی لاڈلی کو کسی متاعِ جان کی طرح سینے سے لگا لیا۔

بڑی نڈھال اور غم زدہ صبح ان کی زندگیوں پر اتری تھی۔ اکرم کا کچھ پتہ نہ تھا، اور وہاں راحت پر قیامت ٹوٹی پڑی تھی۔ اس کے آنگن کا اکلوتا پھول بھی مرجھا چکا تھا۔۔۔ مگر وہ خوش تھی کہ اللہ نے اس کی بیٹی کو ناپاک ہاتھوں سے بچا لیا۔

گہرے سبز رنگ کے گھنے پیڑ پر خزاں اتر آئی تھی۔۔۔ اور وہ مخملی ٹیلہ بھی اب زرد سا تھا۔ سورج نے ہمیشہ کی طرح ایک اُداس نظر، سر جھکائے بیٹھی راحت پر ڈالی، اور اداسی سے دوسری طرف منہ چھپا لیا۔

بقیہ

قدرت کا شاہکار

دن کے آخر میں جب سب آرام سے سو جاتے ہیں، وہ تھکن سے چُور، چپ چاپ میلے کپڑوں کا انبار، گندے برتنوں کا ڈھیر دیکھتی ہے۔۔۔ پھر موبائل ہاتھ میں لیتی ہے، ماں سے فون پر بات کرتے ہوئے مسلسل مسکراتی ہے، بہن حال چال پوچھے تو ہنستی ہوئی تصویر بھیج کر نیچے لکھتی ہے: "الحمدللہ، سب خیر ہے!"

اس ایک مسکراہٹ میں کتنی تھکن چھپی ہے، کتنا صبر، کتنی مزاحمت اور کتنا کرب یہ وہی جان سکتا ہے، جس نے عورت کی خاموش مسکراہٹ کو غور سے دیکھا ہو۔

میری فلاسفر سہیلی فوزیہ شکیل کا کہنا ہے کہ عورت کے دو روپ ہوتے ہیں: ایک وہ جو لوگوں کے سامنے ہے۔ پُروقار، مہذّب، ہنستا مسکراتا چہرہ۔۔۔ اور دوسرا باورچی کے اندر۔ بال بکھرے، ہاتھ میں ڈوئی اٹھائے، سالن کے ساتھ ساتھ اپنا کلیجہ بھونتی ہوئی، جس کے دماغ میں ایک ہی جملہ گردش کرتا ہے: "کیا یہی میری قسمت میں لکھا تھا؟"

میں اکثر سوچتی ہوں کہ عورت چاہے ڈاکٹر ہو، ہوا باز ہو، استانی ہو، بیوی ہو یا بہو! ان سب کی زندگی میں تین چیزیں مشترک ہیں: چائے، چپ اور چادر۔ چائے بنانا پڑتی ہے، چپ رہنا پڑتا ہے اور چادر صبر و برداشت کی اوڑھنا پڑتی ہے۔

پھر بھی، وہ ہنس کر بڑے سے بڑا دُکھ سہہ لیتی ہے۔ سوجی آنکھوں اور دُکھی بدن کے ساتھ آخر میں معصوم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہتی ہے: "سب ٹھیک ہے، چائے پیو گے؟"

اصل شاہکار یہی تو ہے جب زندگی میں ہر دن ایک جدوجہد ہو، پھر بھی چہرے پر مسکراہٹ باقی رہے، جب دل تھکا ہوا ہو، پھر بھی دوسروں کے لیے ہمہ وقت حاضر رہے، جب اپنے خواب ادھورے ہوں، پھر بھی دوسروں کے خواب پورے کرنے کا حوصلہ رہے۔

شام کو ہمارا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر ہمارے صاحب نے ہمیں منانے کے لیے موبائل پر پیغام بھیجا، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"بیگم صاحبہ! میں نے آخر کار مان لیا ہے، عورت کوئی عام مخلوق نہیں۔۔۔ وہ شاہکار ہے۔ کبھی چائے کے کپ جیسی میٹھی، کبھی کافی جیسی کڑوی، کبھی ہنسی میں چھپی ہوئی اُداسی، کبھی آنسو میں چھپی ہوئی ہنسی اور یہی اس کی اصل خوب صورتی ہے کہ وہ بکھر کر بھی مکمل نظر آتی ہے، رو کر بھی مسکراتی ہے اور تھک کر بھی سب کے لیے چائے رکھ دیتی ہے۔ دنیا کے سب میک اَپ، آسائشیں، سارے دعوے ایک طرف اور ایک عورت کی سادہ، بے ساختہ مسکراہٹ ایک طرف۔ کیوں کہ۔۔۔ شاہکار وہی ہے جو دل میں بنتا ہے، آئینے میں نہیں۔

بیت السلام موبائل ایپ
Available on the App Store
GET IT ON Google Play
قبلہ ڈائریکشن
ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
آن لائن ڈونیشن
زکوۃ کیلکولیٹر
لائیو اور ریکارڈ بیانات
روزمرہ کی دعائیں
قرآن کریم
نماز ٹائمنگ
BAITUSSALAM

دوسری بار

ساجدہ بتول

میں چونکتے ہوئے مڑا تھا۔ میرے چونکنے کی وجہ سامنے والی دیوار میں لگا جِن سائز آئینہ تھا۔ جُوں ہی اِس آئینے پر میری نظر پڑی تھی، میں اُچھل ہی تو پڑا تھا۔ بات ہی ایسی تھی۔ عبداللہ کلاتھ ہاؤس مارکیٹ کی سب سے بڑی اور مہنگی دکان تھی۔ کل ابو جان اُس دُکان سے بہت سا کپڑا خرید کر لے گئے تھے۔ دو ہزار روپے کم پڑ گئے تھے اور وہ انھوں نے ایک دن بعد دکاندار کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وعدے کے مطابق آج انھوں نے مجھے دو ہزار روپے تھما کر مارکیٹ روانہ کر دیا تھا، لیکن ساتھ ہی یہ کہنا نہیں بھولے تھے: ثاقب بیٹا! جلدی آنا، سیدھے جانا، سیدھے آنا، اِدھر اُدھر نہ اُلجھنا، کل تمہارا حساب کا ٹیسٹ ہے۔ اس کی تیاری بھی تمہیں کرنی ہے اور شام کی چائے کا وقت بھی ہوا چاہتا ہے۔ اور برخوردار! دیر سے آنے کی صورت میں عصر کی نماز بھی قضا ہو جائے گی۔

میں نے ابو جان کی یہ ساری بلکہ ڈھیر ساری نصیحتیں سر پہ رکھی ٹوپی سے باندھ لیں (کیوں کہ میرے پاس کوئی پلو یا پلہ تو تھا ہی نہیں) مگر مارکیٹ آ کر ان میں سے کوئی ایک نصیحت بھی میری ٹوپی سے چپکی نہ رہ سکی تھی۔ شاید راستے میں ساری گر گئی تھیں۔

بھئی! آپ خود میری طرح کے بچے ہیں۔ سمجھتے ہی ہیں کہ ذرا سی آزادی سے دل کس طرح بلیوں بلکہ چُوہوں اچھلنے لگتا ہے۔ یہی نہیں، ایسے وقت مجھ ایسے شرارتی لڑکے والدین کی نصیحتوں کو بوجھ سمجھتے ہوئے بھول جانے کی کوشش کرتے ہیں، چاہے اِس میں عصر کی نماز کے ساتھ ساتھ شام کی چائے بھی قضا ہو جائے اور میتھ کے ٹیسٹ کی تیاری بھی۔۔۔ ہے نا غلط بات! مگر مجھ میں ابھی اِتنی سمجھ کہاں!

مارکیٹ پہنچ کر میں دکانوں کے ماتھوں پہ لکھے ناموں کے جائزے لیتا ہوا آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ اچانک ایک مشکوک شخص پہ نظر پڑتے ہی میں رُک گیا۔ وہ بالکل میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، مگر مجھے پہلے خبر نہ ہو سکی تھی۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ میں رُکتا تو وہ بھی رُک جاتا، میں چلتا تو وہ بھی چلنے لگ جاتا، میں نے سوچا، کہیں یہ مجھے اغوا کرنا چاہتا ہو۔

جاسُوسی کہانیاں پڑھ پڑھ کر میں بھی خود کو جاسوس سمجھنے لگا تھا، سو میں نے سوچا، یہ میرے لیے اپنے جوہر دکھانے کا اچھا موقع ہے۔ میں ابھی کوئی فون بوتھ تلاش کر کے پولیس کو فون کر دوں اور اس شخص کو گرفتار کروا دوں۔

مگر پھر خیال آیا، اِس طرح میں کہیں خُود نہ پھنس جاؤں۔ چلو! اِس کی حرکتوں کا کچھ دیر اور جائزہ لے لیتا ہوں۔ کیا پتا میرے اغوا کے سوا یہ کچھ اور بھی غلط ارادے رکھتا ہو۔

میں اِسے غور سے دیکھ بھال کے کسی ثبوت کے ساتھ پکڑواؤں گا۔

میں چلتا چلتا عبداللہ کلاتھ ہاؤس کے سامنے پہنچ گیا اور پھر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میرے ساتھ وہ بھی اُسی دکان میں گھس گیا۔

بس اب تو میرا شک پُختہ ہونا شرُوع ہو گیا کہ ہو نہ ہو، یہ کوئی عادی مُجرم ہے اور ضرور میری جیب میں موجود دو ہزار روپے ہتھیانا چاہتا ہے۔ اِسے کسی طرح پتا چل گیا ہو گا کہ میرے پاس دو ہزار روپے موجود ہیں۔

آج ایک مُجرم میرے ہتھے چڑھنے والا تھا اور میرے ہاتھوں اُس کی گرفتاری ہونے والی تھی۔ میں خوشی سے جھومنے لگا اور سوچنے لگا کہ کل کے اخبار میں بڑی سُرخی ہو گی ”مشہور صنعت کار عزیز سلمان کے صاحبزادے ثاقب عزیز کے ہاتھوں ایک مُجرم کی گرفتاری۔“

اب مجھے انتظار تھا کہ وہ کب مجھ پر ہاتھ ڈالتا ہے، تاکہ میں شور مچاؤں یا قریبی فون بوتھ کی طرف دوڑوں۔۔۔ مگر یہ کیا! وہ تو آرام سے یُوں باہر نکل گیا تھا جیسے اُسے یہاں کوئی کام ہی نہ ہو۔

میں اب کھڑا یہ سوچنے لگا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اُس کا پیچھا کرنا چاہیے یا پولیس کو اطلاع دینی چاہیے؟

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میری نظر سامنے والی دیوار پر پڑ گئی۔

میں چونکتے ہوئے مڑا تھا۔

میرے چونکنے کی وجہ سامنے والی دیوار میں لگا جِن سائز آئینہ تھا۔

جوں ہی اُس آئینے پر میری نظر پڑی تھی، میں اُچھل ہی تو پڑا تھا!

کیوں کہ اُس آئینے میں مجھے اپنے پیچھے اُسی مشکوک شخص کی شکل کا ایک اور شخص کھڑا نظر آ رہا تھا اور یہ دیکھتے ہی میں مڑ گیا تھا۔ وہ مجھے عجیب سی نظروں سے گھور رہا تھا۔

ہو نہ ہو، یہ شخص اُس مشکوک شخص کے میک اَپ میں تھا جو شروع سے آخر تک میرا پیچھا کرتا آیا تھا۔ گویا میں دو ایک جیسی شکل والے افراد سے سامنا کر چکا تھا اور یہ بات جس قدر حیرت ناک تھی، اُسی قدر خطرناک بھی تھی۔ کوئی گہرا چکّر لگتا تھا جو بات میں سمجھ سکا، وہ یہ تھی، وہ مشکُوک شخص مجھے اغوا کرنا چاہتا تھا اور سائے کی طرح میرے پیچھے لگا تھا، مگر اِس دکان میں رَش دیکھ کر اُسے خیال آیا ہو گا، یہاں سب کے سامنے ہاتھ ڈالنا ممکن

نہیں، اِس لیے وہ فی الحال واپس چلا گیا جو شخص مجھے اغوا کروانا چاہتا ہے، اُس نے اغوا کرنے والے کے لیے ضرور کوئی اِنعام مقرّر کر رکھا ہو گا۔ دوسرا شخص جو پہلے مشکوک شخص کا ہم شکل ہے، اِسے ضرور سارا چکّر معلوم ہے، اِس نے سوچا ہو گا، موقع اچھا ہے، انعام میں سمیٹ لوں، اس لیے اِس نے اُس شخص کا روپ دھار لیا جس کے ذمّے میرے اغوا کا کام لگایا گیا ہے اور رُوپ دھار کر اُس دُوسرے شخص سے چوری مجھے اغوا کرنے چلا آیا ہے، تاکہ اغوا کا حکم دینے والے کے سامنے اِسی شکل کے ساتھ مجھے لے جا کر اصل اغوا کار کی بجائے انعام یہ حاصل کر لے۔

یہ سوچتے ہی میں ایک پل کو تھرّا اُٹھا۔ میرے ابو جان ہیں بھی تو اِتنے دولت مند۔۔۔ سینکڑوں دشمن ہو سکتے ہیں۔

میں پچھلے بیس منٹ سے مسلسل اِدھر اُدھر کی سوچ رہا تھا اور سوچ ہی سوچ میں جانے کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔ یہ خیالی قِصّہ جاری رہتا، اگر دُکاندار انکل مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے نہ پُوچھتے: ''بیٹا! کیا کام ہے؟''

یہ سنتے ہی میں حَواس کی دنیا میں واپس آیا، میرا ہاتھ رقم نکالنے کے لیے اپنی قمیص کی دائیں طرف والی جیب میں رینگ گیا اور پھر۔۔۔

مجھے زمین و آسمان گھومتے دکھائی دینے لگے، کیوں کہ جیب خالی تھی، رقم غائب تھی۔ میں نے اُچھلتے ہوئے سر گھما کر اپنے پیچھے دیکھا مگر اب وہاں کسی بھی مشکوک شخص کا نام ونشان تک نہ تھا۔ میرے پیچھے کھڑا وہ میک اَپ زدہ شخص بھی غائب ہو چکا تھا۔ گویا وہ لوگ مجھے اغوا نہیں کرنا چاہتے تھے، بلکہ میری جیب میں سے دوہزار روپے نکالنا چاہتے تھے جو وہ نکال چکے تھے۔ میں تیزی سے باہر نکل آیا اور ایک دَم دوڑ لگا دی۔۔۔ اور پھر وہی شخص مجھے دکھائی دے گیا جو ابھی تھوڑی دیر پہلے دکان میں میرے پیچھے کھڑا تھا۔ مجھے ہر حال میں اُس سے رقم واپس لینا تھی۔ اُس کے قدم مسجد کی طرف اُٹھ رہے تھے۔ میں اُس کے قریب پہنچا ہی تھا کہ اُس سے ذرا آگے مجھے اپنے ابو جان دکھائی دیے۔ اِس سے پہلے کہ میں اُس شخص کا دامن تھامتا یا ابو جان کو مدد کے لیے بلاتا، وہی شخص زور سے بولا: ''عزیز سلمان!''

ابو جان چونکتے ہوئے مڑے اور پھر ایک دَم دوڑ کر اُس شخص کے گلے سے لگ گئے۔

''ارے آصف تم! پورے چار سال کے بعد دیکھ رہا ہوں تُمھیں۔ کہاں رہے اتنا عرصہ؟''

''میرے دوست! میں کاروبار کے سلسلے میں بیرون ملک ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک ہفتہ پہلے پاکستان آیا ہوں۔'' یہ اُسی میک اَپ زدہ شخص کی آواز تھی یا شاید یہ پہلے والا مشکوک شخص تھا۔ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ابو جان کا کوئی دوست جیب کترا بھی ہو سکتا ہے یا یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ ابو جان کے دوست کی شکل میں ہو، اصلی دوست نہ ہو۔۔۔ مگر اس صورت میں بھی اصلی دوست وہ پہلا مشکوک شخص ٹھہرتا جو پورے بیس منٹ میرا پیچھا کرتا رہا تھا۔ ابو جان کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ پکارے ''ہاں بھئی ثاقب! پہنچا آئے رقم؟''

میں گڑبڑا گیا۔

اِدھر وہ شخص کہہ رہا تھا ''پچھلے آدھے گھنٹے سے مسلسل اس بچے کو دیکھ رہا ہوں اور دیکھتا چلا جا رہا ہوں۔ جب اِس پر پہلی نظر پڑی تو دل پکار اُٹھا کہ یہ وہی ثاقب ہے، جِس سے میں آخری دفعہ اس وقت ملا تھا، جب یہ چھ سال کا تھا۔ اب جب یہ مارکیٹ گیا تو میں اسے پہچاننے کے لیے اِس کے ساتھ ساتھ رہا۔''

''ہاں بھئی! تمھارا بھتیجا ہی ہے۔ اب دس سال کا ہو چکا ہے۔'' ابو جان نے کہا اور اُس شخص کے گھورنے کی وجہ اب میری سمجھ میں آئی۔ یہاں تک تو معاملہ صاف ہو گیا، لیکن دو آدمیوں کا ایک ہی جیسی شکل کا ہونا اور دوہزار روپے کا غائب ہونا، یہ مُعمّہ ابھی تک اُلجھا ہوا تھا۔

اچانک ابو جان مجھ سے بولے: ''تمھاری قمیص کی جیب اِتنی پھولی ہوئی کیوں ہے؟ رقم دکاندار کو دی نہیں کیا؟''

اتنا کہہ کر ابُو جان نے میری قمیص کی بائیں طرف والی جیب میں ہاتھ ڈالا اور دوہزار روپے کی وہی رقم نکال لی، جِسے میں نے قمیص کی دائیں طرف والی جیب میں نہ پا کر ''اغوا شدہ'' سمجھ لیا تھا۔ اب مجھے یاد آیا، رقم تو میں نے ڈالی ہی بائیں جیب میں تھی۔

اب ابُو جان نے مجھے غُصّے سے گھورتے ہوئے پوچھا: ''اِتنی دیر تک تم کون سی کمائی کرتے رہے ہو؟''

اور میں نے کچھ شرمندہ اور کچھ حیرت زدہ سے انداز میں جھکی نظروں کے ساتھ سارا قِصّہ کہہ سُنایا۔

ایسے میں آصف انکل کی آواز گونجی ''حیران کیوں ہوتے ہو؟ میں کسی کے میک اَپ میں نہیں، نہ ہی کوئی اور شخص میرے میک اَپ میں دُکان میں داخل ہوا تھا، بلکہ بات یہ ہے کہ ایک بار دکان میں سے نکلنے کے بعد دوسری بار بھی دکان میں میں ہی داخل ہوا تھا۔''

میں نے اِنتہائی شرمندہ انداز میں سر اُٹھایا تو آصف انکل کی نگاہوں کو خود پہ جمے پایا۔ مجھے لگا، اُن کی نگاہیں طنزیہ انداز میں مجھ سے کہہ رہی ہیں، ''تم چاہے عصر کی نماز قضا کرو اور چاہے شام کی چائے، چاہے میتھ کے ٹیسٹ کی تیاری کھا جاؤ اور چاہے اپنا وقت ضائع کرو، چاہے بلاوجہ اِدھر اُدھر اُلجھ اپنی ٹوپی سے نصیحتیں گراؤ، اپنے والد کے دوست کو بہرُوپیا سمجھو یا جیب کترا، یُوں چاہے تم بدگمانی کے گناہ میں مبتلا ہو جاؤ اور چاہے والدین کی نافرمانی کرو۔ تمھیں اِس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہاں، لیکن! تمھاری مصنفہ کی کہانی دوسری بار تو مکمل ہو گئی نا!!!''

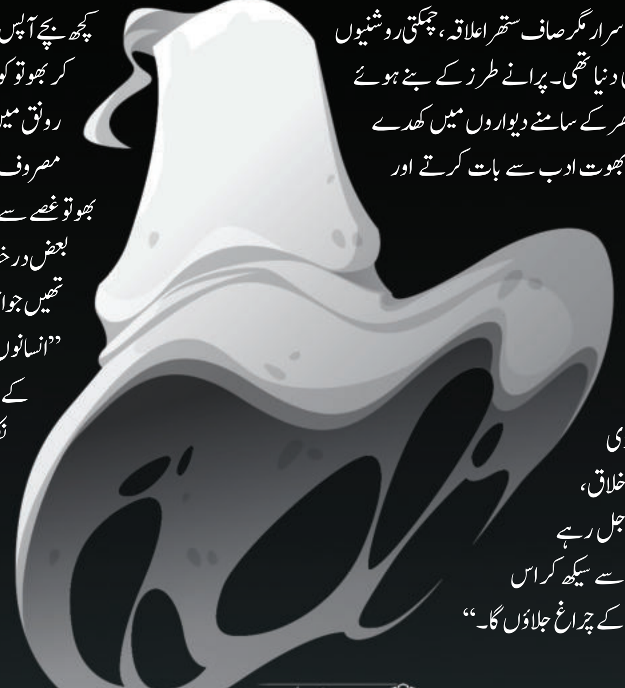

میر جواد ٹالپر

بھوت بچہ اور انسانی معاشرہ

رات کا سناٹا ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ وہ ایک پُراسرار مگر صاف ستھرا علاقہ، چمکتی روشنیوں سے بھری خاموش اور پُرسکون بھوتوں کی دنیا تھی۔ پرانے طرز کے بنے ہوئے بھوتوں کے گھر ہوا میں معلق تھے اور ہر گھر کے سامنے دیواروں میں کھدے طاقچوں میں دیے جل رہے تھے۔ یہاں بھوت ادب سے بات کرتے اور تہذیب سے جیتے تھے۔

ایک گھر سے آوازیں آ رہی تھیں۔

''بھوتو'' نامی بچہ بھوت اپنی ماں سے انسانوں کی دنیا میں جانے کی ضد کر رہا تھا۔

''مما! میں انسانوں کی دنیا میں جانا چاہتا ہوں، وہاں پر اب بہت ترقی ہو گئی ہے۔ بڑی عمارتیں، روشنیوں کے شہر اور ٹیکنالوجی! اخلاق، ادب تہذیب اور علم کے ہر طرف دیے جل رہے ہیں۔ بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا، میں وہاں سے سیکھ کر اس بھوتوں کی دنیا میں علم، ادب اور تہذیب کے چراغ جلاؤں گا۔'' بھوتو نے کہا۔

''نہیں بیٹا! وہ دنیا اب ویسی نہیں رہی۔ وہاں شور، بدبو اور ماحولیاتی آلودگی کے ساتھ ساتھ جھوٹ، لالچ، بے حسی حسد اور غیبت جیسی کئی معاشرتی برائیاں بڑھ گئی ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم خود خراب ہو جاؤ۔'' بھوتو کی ماں نے اسے سمجھایا۔

''نہیں، کئی سالوں سے ہم انسانوں کی دنیا میں نہیں گئے، کیا پتا انسان سدھر گئے ہوں۔'' بھوتو بضد تھا۔

''بیٹا! وہاں لوگ ایک دوسرے کو انسان نہیں سمجھتے تو سمجھو کتنا اخلاقی معیار گرا ہوا ہوگا۔ زبان تو ایسی گندی ہو گئی ہے کہ ہمارے بھوتوں کی دنیا کی بدزبان بھوتنی بھی شرما جائے۔'' بھوتو کی ماں نے بتایا۔

''ہمیشہ کے لیے تھوڑی جا رہا ہوں، صرف ایک دن کے لیے۔۔۔'' بھوتو اپنی ضد پر اڑا رہا۔

''ٹھیک ہے، جاؤ! لیکن وہاں پر انسان کے بچوں کو ڈرانا نہیں۔'' بھوتو کی ماں نے اسے انسانوں کی دنیا جانے کی اجازت دے دی۔ بھوتو خوش ہو کر انسانوں کی دنیا میں جانے کی تیاری کرنے لگا۔

بھوتو نے بھوت نگر سے نکل کر انسانوں کی دنیا میں اپنا قدم رکھا تو اس کی آنکھیں حیرت اور تجسس سے چمک رہی تھیں۔ انسانوں کی دنیا مختلف رنگوں کا امتزاج تھیں، جہاں روشنیوں کی چمک ہر طرف بکھری ہوئی تھی۔ اونچی عمارتیں، لوگوں کے ہجوم سے بھری ہوئی سڑکیں، بازاروں میں موجود رنگ برنگی کپڑوں کی دکانیں۔

''یہ انسانوں کی دنیا تو واقعی بہت خوب صورت ہے۔'' بھوتو نے کہا۔

''سب سے پہلے میں یہاں اُترتا ہوں۔'' ایک خوب صورت سرسبز پارک کو دیکھ کر بھوتو نے کہا۔ پارک بظاہر تو بہت خوب صورت اور سرسبز تھا، لیکن جیسے ہی بھوتو نے پارک میں قدم رکھا، کچھ دیر بعد اسے وہاں چھپی ہوئی برائیاں نظر آئیں۔ پارک کے کچھ حصے گندے اور کچرے سے بھرے ہوئے تھے۔ پانی کے تالاب میں کچرے تیر رہے تھے۔ تبھی بھوتو کی نظر ایک بچے پر پڑی، اس نے کوئی چیز کھا کر اس کے کچرے کو وہیں پارک میں ہی پھینک دیا۔ بھوتو کا دل چاہا کہ جا کر اس بچے کو ڈرائے، لیکن پھر اپنی ماں سے کیے ہوئے وعدے کو یاد کر چپ ہو گیا۔ کچھ بچے آپس میں لڑ رہے تھے۔ بھوتو مایوس ہو کر آگے بڑھ گیا۔ آگے چل کر بھوتو کو کچھ بزرگ لوگ تنہا اور اداس بیٹھے نظر آئے، جو پارک کی رونق میں بھی اداس لگ رہے تھے۔ کچھ لوگ موبائل فونز میں اتنے مصروف تھے کہ انھیں فطرت کی خوب صورتی کا احساس تک نہیں تھا۔ بھوتو غصے سے آگے بڑھ گیا۔ آگے چل کر بھوتو نے نوٹس کیا کہ پارک کے بعض درخت کٹے ہوئے تھے اور زمین کی کچھ جگہیں بے جان اور خشک تھیں جو انسان کی بے توجہی اور ماحول کی خرابی کو ظاہر کر رہی تھیں۔

''انسانوں کی دنیا خوب صورت تو ہے، لیکن اسے خوب صورت رکھنے کے لیے محنت کی بھی ضرورت ہے۔'' بھوتو نے کہا اور پارک سے نکل گیا۔ چلتے چلتے اسے ایک روشنیوں سے جگمگاتا ہوا بازار دکھائی دیا، وہ اس میں داخل ہو گیا۔ ہر طرف رنگ برنگی کپڑوں سے سجی دکانیں، لوگوں کا اژدہام، لیکن بھوتو نے بازار کی رونق کے پیچھے معاشرتی برائیاں دیکھیں جو اس کے لیے نئی تھیں۔ دھوکہ اور جھوٹ بازار کے ہر گوشے میں چھپا ہوا تھا۔ بھیک مانگتے لوگ چھپ کر چوریاں کر رہے تھے۔ بازار کی چمک دمک کے باوجود بھوتو کو وہاں ایک طرح کی تنہائی اور سرد مہری محسوس ہوئی۔ کچھ لوگوں کے مصنوئی رویوں کو دیکھ کر بھوتو کو اُلجھن ہونے لگی، وہ افسوس کرتا بازار سے نکل گیا۔ بھوتو بازار سے نکل کر شہر کی مصروف سڑک پر آ گیا۔ سڑک پر چمکتی روشنیاں، گاڑی کے ہارن کی آوازیں اور لوگوں کی افراتفری جیسے ہر کسی کو جلدی ہو کہیں جانے کی۔ سڑک کے کنارے ایک ٹریفک سگنل چمک رہا تھا۔ سُرخ روشنی واضح اشارہ دے رہی تھی رُکنے کا، لیکن ایک بڑی سیاہ گاڑی بغیر رُکے سگنل توڑتی ہوئی آگے نکل گئی، اسی لمحے ایک تیز رفتار سفید گاڑی جو دوسری طرف سے آ گئی، دونوں گاڑیاں آپس میں ٹکرائیں اور ایک زوردار آواز فضا میں گونجی۔ ایک لمحے میں شیشے بکھر گئے، ہر طرف دھواں اٹھنے لگا، دونوں گاڑیوں کے سامنے کے حصے بری طرح پچک گئے تھے۔ سگنل کھل گئے تو لوگ بے حسی سے آگے بڑھنے لگے۔ کسی نے بھی رُک کر مدد کرنا ضروری نہیں سمجھا، کیوں کہ ہر کسی کو اپنی منزل پر پہنچنے کی جلدی تھی۔ جاتے ہوئے بھوتو نے ایمبولنس کو آتے ہوئے دیکھا، جس میں اب ایکسیڈنٹ میں زخمی ہو جانے والوں کو رکھا جا رہا تھا۔ بھوتو نے انسانوں کی دنیا کا ایک اور تلخ چہرہ دیکھ لیا تھا، جہاں پر قانون کی خلاف ورزی تو افسوسناک تھی، لیکن لوگوں کی بے حسی نے بھوتو کا دل توڑ دیا تھا۔ بازار اور سڑک کے خوف ناک مناظر دیکھنے کے بعد وہ ایک خوب صورت سی گلی میں داخل ہوا، جہاں بہت ہی خوب صورت قسم کے گھر بنے ہوئے تھے۔ وہ ایک گھر کی کھڑکی کے پاس گیا، جہاں سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ وہ ایک خوب صورت اور آرام دہ گھر تھا۔ بھوتو نے کھڑکی کے اندر جھانکا، جہاں پر ایک خاندان بیٹھا ہوا تھا۔ ماں باپ اور دو بچے۔ سب ایک ہی کمرے میں ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے کوسوں دور تھے۔ باپ ایک صوفے پر بیٹھا موبائل چلانے میں مصروف تھا، ماں دوسری طرف آن لائن شاپنگ میں مصروف تھی تو بڑا بیٹا گیمنگ میں مگن اور چھوٹی بیٹی انسٹاگرام پر ریلز دیکھ رہی تھی۔ گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ نہ کوئی ہنسی، نہ کوئی بات چیت اور نہ ہی ایک دوسرے کی فکر! بھوتو اُداس ہو کر کھڑکی سے باہر نکل گیا۔ اس گھر کے سامنے ہی ایک اور گھر تھا، وہ وہاں گیا لیکن وہاں پر اس نے ایک دردناک منظر دیکھا۔ ایک لڑکی اپنی بوڑھی ماں سے بدتمیزی کر رہی

گوری اور بھورا

ام محمد مصطفی

ایک خوب صورت گاؤں کے سر سبز میدانوں میں ایک دودھ دینے والی گائے ''گوری'' اور ایک محنتی بیل ''بھورا'' رہتے تھے۔ دونوں کا تعلق ایک ہی باڑے سے تھا، لیکن ان کی فطرت بالکل مختلف تھی۔ گوری نرم دل، صاف ستھری اور تھوڑی نازک مزاج تھی، جبکہ بھورا سخت جان، کام کا عادی اور تھوڑا سا غصیلا تھا۔

دونوں جانور اپنے مالک چاچا رحمت کے بہت چہیتے تھے۔ گوری روزانہ دودھ دیتی اور بھورا ہل چلاتا، لکڑیاں کھینچتا اور کبھی کبھار بچوں کی سواری بھی بن جاتا، لیکن ان کے درمیان کبھی خاص دوستی نہ ہو سکی۔ گوری کو بھورا کا کیچڑ میں لت پت ہونا اچھا نہ لگتا اور بھورا کو گوری کی ''نوابوں والی'' عادتیں پسند نہ تھیں۔

ایک دن گاؤں میں ایک بڑی مصیبت آن پڑی۔ کئی دنوں کی بارش کے بعد قریبی ندی میں طغیانی آ گئی۔ گاؤں کے کھیتوں میں پانی بھر گیا، راستے بند ہو گئے اور باڑوں میں پانی داخل ہو گیا۔ گوری چوں کہ صاف جگہ پر سونا پسند کرتی تھی، وہ بے چین ہو گئی۔ بھورا بھی پریشان تھا، مگر وہ خاموشی سے حالات کا مقابلہ کر رہا تھا۔

اسی دوران چاچا رحمت نے فیصلہ کیا کہ سب جانوروں کو پہاڑی علاقے کی طرف منتقل کر دیا جائے، جہاں زمین اونچی اور محفوظ تھی، مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہاں تک جانے کا واحد راستہ ندی کے ایک تنگ پل سے گزرتا تھا، جو کمزور اور پھسلن بھرا ہو چکا تھا۔

چاچا نے ایک گاڑی تیار کی جس میں گوری کو بٹھایا گیا کیوں کہ وہ کیچڑ میں چلنے سے قاصر تھی۔ بھورا کو کہا گیا کہ وہ گاڑی کھینچے۔ پہلے تو بھورا غصے میں آ گیا: ''یہ ہمیشہ آرام کرے اور میں ہمیشہ کام۔'' مگر پھر اس نے گہری سانس لی اور کچھ کہے بغیر گاڑی کو کھینچنے لگا۔

راستہ مشکل تھا، بارش ابھی بھی ہو رہی تھی، پل بہت پھسلن بھرا تھا۔ گوری کو اپنی غلطیوں کا احساس ہونے لگا۔ وہ بھورے کو پکار کر کہنے لگی: ''بھورے! میں تم سے معافی چاہتی ہوں۔ میں نے ہمیشہ تمھیں نیچا سمجھا، مگر آج تم نے میری جان بچانے کے لیے اپنی طاقت اور ہمت لگا دی۔'' بھورا خاموش رہا، مگر ایک پل کے کنارے پہنچ کر گاڑی رک گئی۔ ایک بڑا پتھر سامنے آ گیا تھا۔ چاچا رحمت بے بس ہو کر پیچھے کھڑے ہو گئے۔ اچانک بھورا رک گیا، اس نے زور لگایا، مگر گاڑی نہ ہلی۔ گوری فوراً گاڑی سے اتری اور کیچڑ کی پروا کیے بغیر گاڑی کے پہیوں سے کیچڑ ہٹانے لگی۔ یہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ نرم دل گوری آج اپنے آرام کو بھول کر محنت کرنے پر آمادہ ہو چکی تھی۔

گاؤں کے ایک لڑکے نے خوش ہو کر کہا: ''گوری بی بی نے کمال کر دیا۔''

چاچا رحمت نے ہنستے ہوئے کہا: ''جب ایک گائے اور بیل ایک ساتھ چلیں تو مشکل راستہ بھی آسان ہو جاتا ہے۔'' آخر کار بھورا نے آخری زور لگایا، گوری نے دھکا دیا اور گاڑی پل پار کر گئی۔ سب جانور خوشی سے چلانے لگے۔

پہاڑی علاقے میں پہنچ کر گوری اور بھورا ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لگے۔ اس دن کے بعد سے ان کی دوستی گہری ہو گئی۔ گوری نے سیکھ لیا کہ ہر کام میں محنت اور قربانی ضروری ہوتی ہے اور بھورا سمجھ گیا کہ نرم مزاجی بھی ایک خوبی ہے، کمزوری نہیں۔

اب وہ دونوں سچے پکے دوست بن کر رہنے لگے۔ گاؤں کے بچے اکثر ان سے سبق حاصل کرتے کہ؛ ''اختلافات کو بھلا کر جب ہم ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، تب ہی سچ میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔''

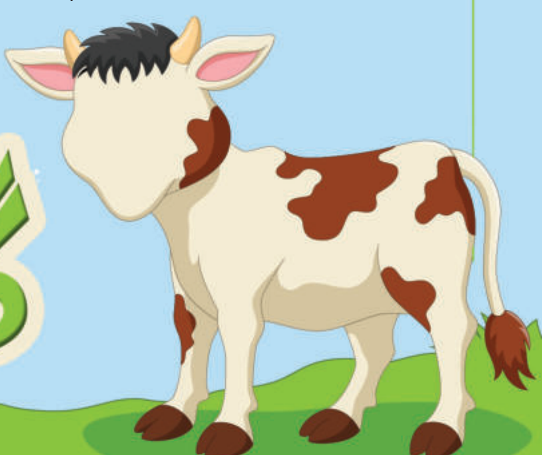

تھی۔ ''آپ ہر وقت روک ٹوک کیوں کرتی ہیں، میری زندگی ہے، آپ کو ہر بات میں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے!''

''بیٹا! میں بس تمھاری بھلائی چاہتی ہوں۔'' اس کی ماں نے آہستہ سے کہا۔

''اُف...!'' اس لڑکی نے اتنا چیخ کر کہا کہ بھوتو بھی ڈر گیا۔ اس نے ایسی بدتمیزی بھوت نگر میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ جاتے ہوئے بھوتو نے اس لڑکی کی ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔

بھوتو تھک تو گیا تھا، لیکن اس کے اندر کے تجسس نے اسے ایک اور روشن کھڑکی کے اندر جھانکنے پر مجبور کیا۔ یہ ایک آرام دہ ڈرائننگ روم تھا، جہاں پر چار خواتین بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔

''بس تمھیں کیا بتاؤں، تمینہ کتنی بدل گئی ہے۔ کپڑے تو ایسے پہنتی ہے جیسے کسی فیشن شو میں جا رہی ہے۔'' ایک عورت نے کہا۔

''اس کے تو بچے بھی بگڑ گئے ہیں، بس جیسی ماں ویسی اولاد!'' دوسری عورت نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

''ماں فیشن چھوڑے تب اولاد کی تربیت کرے، لیکن بس اس نے تو جانوروں کی طرح بچے پیدا کر کے چھوڑ دیے ہیں۔'' تیسری عورت نے ہنستے ہوئے کہا۔

چوتھی عورت صرف سُن کر مسکرا رہی تھی۔ یہ کیسی باتیں تھیں؟ بھوتو یہ ساری باتیں سن کر حیران ہو گیا، جن میں صرف زبان کا زہر اور اندر کا حسد تھا۔

بھوتو سر جھٹک کر آگے بڑھا۔ وہ ایک مڈل کلاس کا گھرانہ تھا، جس کی کھڑکی سے مدھم آوازیں آ رہی تھیں۔ بھوتو نے کھڑکی سے اندر جھانکا۔

''ہمیں بس یہ بات پھیلا دینی ہے کہ شمائلہ کی بیٹی کا پہلے بھی ایک جگہ رشتہ طے ہو چکا تھا۔ بس اس بات کے بعد آگ خود ہی لگ جائے گی، لوگوں کی زبان خود بخود چلنے لگ جائے گی۔'' ایک عورت سازشی انداز میں کہہ رہی تھی۔

''اور یہ بھی کہہ دینا لڑکی ماں کے قابو میں نہیں ہے، اپنے فیصلے خود کرتی ہے۔ کردار خود بخود شک میں آ جائے گا۔'' دوسری عورت نے اپنی ذہن کی غلاظت باہر نکالی۔

''ابھی کسی فنکشن میں موقع ملتے ہی کہہ دوں گی کہ کچھ چیزیں ہم زبان سے نہیں کہتے، لیکن وقت بتا دیتا ہے کہ کون کیا ہے، اتنا ہی کافی ہو گا رشتہ ختم کروانے کے لیے۔'' تیسری عورت نے کہا، پھر تینوں مل کر ہنسنے لگیں۔ بھوتو کی یہ باتیں سن کر آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہ سازشیں کسی دشمن کے خلاف نہیں بلکہ اپنے ہی کسی رشتے دار کے خلاف کی جا رہی تھیں۔

انسانوں کے گھروں میں چھپے معاشرتی زوال کو دیکھ کر اسے اب مزید کچھ دیکھنے کی خواہش ہی نہیں رہی تھی۔ بھوتو اپنی دنیا میں واپس چلا گیا اور انسانوں کی دنیا میں شور، گندگی اور معاشرتی برائیاں بدستور جاری تھیں جو چیزیں بھوتوں کو بھگا دیں، وہ خود انسانوں کے لیے کتنی خطرناک ہو سکتی ہیں۔

جادوئی غبارہ

ماریہ جبران

ایک چھوٹے سے گاؤں میں علی نام کا ایک تجسس بھرا بچہ رہتا تھا۔ علی کو سائنس سے بے حد لگاؤ تھا۔ وہ ہر روز کوئی نہ کوئی نیا تجربہ کرنے کی کوشش کرتا۔ ایک دن اس کی سائنس کی کتاب میں اسے سوڈا اور سرکے والا تجربہ ملا۔۔۔ وہی تجربہ جس میں غبارہ خود بخود پھول جاتا ہے۔

علی نے فوراً اپنے بابا کی دوکان سے سرکہ اور کچن سے سوڈا نکالا۔ اس نے ایک صاف بوتل، تھوڑا سا پانی اور ایک خالی غبارہ لیا۔

بوتل کے نیچے اس نے سرکہ ڈالا، پھر اس میں پانی ملایا۔ غبارے کے اندر اس نے چمچ بھر سوڈا ڈال دیا۔ تجربہ شروع ہونے والا تھا اور علی کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

جیسے ہی علی نے غبارے کو بوتل کے منہ پر مضبوطی سے چڑھایا اور غبارہ اٹھا کر سوڈے کو بوتل میں گرنے دیا تو اندر سے سس سس کی آواز آئی۔ چھوٹے چھوٹے بلبلے اُٹھنے لگے۔ بوتل کے اندر جوش سا آیا اور پھر۔۔۔ غبارہ آہستہ آہستہ پھولنے لگا۔

علی خوشی سے اچھل پڑا۔

”واہ! یہ تو واقعی جادو ہے!“ وہ حیرانی سے بولا۔

لیکن اس کی دادی پیار سے مسکرا کر بولیں: ”بیٹا! یہ جادو نہیں، سائنس ہے۔ سرکہ ایک تیزاب ہوتا ہے اور سوڈا ایک نمک۔ جب یہ دونوں ملتے ہیں تو کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس بنتی ہے۔ یہی گیس غبارے کو پھلاتی ہے۔“ علی نے حیرت سے غبارہ گھمایا، بلبلوں کو دیکھا اور بولا۔

”تو سائنس بھی جادو جیسی ہوتی ہے؟“ دادی ہنس دیں۔

”ہاں بیٹا! لیکن یہ ایسا جادو ہے جو عقل، سمجھ اور سبق دیتا ہے۔“

اس دن کے بعد علی نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بڑا ہو کر سائنس دان بنے گا، تاکہ دنیا کو مزید ایسے ”جادوئی تجربے“ دِکھا سکے۔

نیا سال

ڈاکٹر قدسیہ

رات کے آخری پہر خاموشی گہری ہو رہی تھی۔ آسمان پر بادلوں کے پیچھے سے چاند جھانک رہا تھا۔ گاؤں کے مشرقی کنارے پر رہنے والی نمرہ اپنے آنگن میں بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پرانی سی ڈائری تھی، جس میں اس نے پچھلے سال کے خوشی اور غم دونوں لکھ رکھے تھے۔ نیا سال شروع ہونے میں صرف چند منٹ باقی تھے۔ نمرہ نے آسمان کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں سوچا: ”یا اللہ! آنے والا سال کیسا ہوگا؟ کیا میرے ارمان پورے ہوں گے؟“ اسی لمحے اس کی دادی آمنہ بی بی وہاں آ گئیں۔ ان کے ہاتھ میں تسبیح اور چہرے پر پیار بھری مسکراہٹ تھی۔

”بیٹی! نئے سال کا انتظار کیوں کر رہی ہو؟“

نمرہ نے دھیمی آواز میں کہا: ”دادی جان! سب کہتے ہیں نیا سال نئی برکتیں لاتا ہے، لیکن یہ برکتیں کہاں سے آتی ہیں؟“

دادی قریب بیٹھ گئیں اور محبت سے بولیں: ”برکتیں آسمان سے نہیں گرتیں، بیٹی! برکتیں ہمارے دل اور اعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب ہم نیتیں صاف رکھتے ہیں، دوسروں کا بھلا سوچتے ہیں اور اپنے رب سے اُمید باندھتے ہیں۔۔۔ تب نیا سال برکتوں سے بھر جاتا ہے۔“

”تو کیا نیا سال خود کچھ نہیں بدلتا؟“ نمرہ نے پوچھا۔

آمنہ بی بی مسکرائیں۔۔۔

”تبدیلی تو ہم لاتے ہیں۔ نیا سال صرف ہمیں ایک نیا موقع دیتا ہے، جیسے کتاب کا صاف صفحہ۔۔۔ اب اس پر کیا لکھنا ہے، یہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔“ گھنٹے کی سوئی نے بارہ بجائے۔ ہر طرف پٹاخوں اور فائرنگ کی آوازیں آنے لگیں۔ نمرہ نے گہرا سانس لیا اور آسمان کی طرف دیکھا۔

”یا اللہ! اس سال میں بہتر انسان بننے کی کوشش کروں گی۔ محبت بانٹوں گی، دل دکھانے کی بجائے جوڑنے کی کوشش کروں گی اور ہر چھوٹی نعمت پر شکر کروں گی۔“

دادی نے اس کی پیشانی چوم کر کہا: ”بس یہی دعا اور یہی نیت ہی سال کی سب سے بڑی برکت ہے۔ جب دل بدل جائے تو زمانہ خود بدل جاتا ہے۔“

نمرہ نے اپنی ڈائری کا نیا صفحہ کھولا اور پہلی سطر لکھی: ”نیا سال۔ نئی اُمیدیں، نئی کوششیں اور اللہ کی بے شمار رحمتیں“ آسمان پر ہلکی سی روشنی پھیلنے لگی۔ فجر قریب تھی اور اس روشنی میں نمرہ کو یوں محسوس ہوا جیسے نیا سال واقعی اپنے دامن میں رحمتیں لے کر اس کی دہلیز پر کھڑا ہو۔

جو طالبِ علم میرے سوال کا ٹھیک جواب دے گا اسے ایک خوب صورت کتاب تحفے میں دی جائے گی۔ سوال یہ ہے: ''سلطان محمود غزنویؒ نے ہندوستان پر آخری حملہ کس سن میں کیا؟''
پوری کلاس میں عقیل نے اپنا ہاتھ کھڑا کیا۔ سر نے جواب دینے کی اجازت دی، عقیل نے بتایا: ''سلطان محمود غزنویؒ نے ہندوستان پر آخری حملہ سن 1025ء میں کیا۔''

یہ سر عبداللہ تھے، جو بہت ہی اچھے استاد تھے۔ وہ دسویں جماعت کے طلبہ کو اردو کی کتاب پڑھاتے تھے اور پڑھائی کے ساتھ ساتھ طلبہ کی تربیت کا بھی خیال رکھتے تھے، جس کے لیے وہ طلبہ سے ہفتے میں ایک مرتبہ ''معلوماتِ عامہ (جنرل نالج) سے متعلق سوالات پوچھتے اور پھر جو طالبِ علم درست جواب دیتا وہ اسے کوئی خوب صورت سی کتاب تحفے میں دیا کرتے تھے۔

عقیل نے درست جواب دیا اور سر عبداللہ نے اسے ایک بہت ہی خوب صورت کتاب تحفے میں دی، بلکہ اکثر عقیل ہی انعام لیا کرتا۔ رفتہ رفتہ اس کے دل میں بڑائی آنے لگی، اس روز بھی وہ چھٹی میں اپنے ساتھی جمیل کو کوسنے لگا۔ جمیل پڑھائی میں بہت کم زور تھا، لیکن وہ محنت بہت کرتا تھا۔

عقیل جمیل سے: ''تم لوگوں کو تو کچھ پڑھنا ہی نہیں آتا، مجھے دیکھو! میں نے آج صحیح جواب دیا اور مجھے سر نے ایک خوبصورت کتاب تحفے میں دی۔ تم خوامخواہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ تم کو تو کچھ آتا ہی نہیں، جاؤ! اپنے باپ کے ساتھ کھیتی باڑی کرو۔ یہ پڑھائی تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔'' اس نے جمیل کو بہت کوسا جس کی وجہ سے جمیل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اسے بہت دُکھ ہوا۔ سر عبداللہ پیچھے کھڑے یہ ساری باتیں سن رہے تھے۔ انھوں نے بعد میں عقیل کو بلایا اور اسے سمجھانے لگے: ''عقیل بیٹا! آپ جمیل سے کیا کہہ رہے تھے؟''

عقیل نے کچھ چھپائے بغیر سب بتا دیا۔ سر عبداللہ نے اسے سمجھایا: ''ذہانت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کا درست استعمال یہ نہیں کہ جو ساتھی پڑھائی میں کم زور ہو اسے کوسا جائے بلکہ اس نعمت کا درست استعمال یہ ہے کہ جو ساتھی پڑھائی میں کم زور ہو اس کی رہنمائی کی جائے، اس کی حوصلہ افزائی کی جائے، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی بڑائی آ جائے تو وہ کام یاب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ذہانت کا منفی استعمال نہ کرنا چاہیے، بلکہ ذہانت کا مکمل اور درست استعمال کرنا چاہیے۔'' عقیل نے سر عبداللہ کی باتیں سمجھ تو لیں، لیکن اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہی اپنی بڑائی جتانا اور دوسروں پر طعن اور طنز کے تیر چلانا۔

ایک دن اسکول سے گھر آتے ہوئے عقیل کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ اس کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ ہسپتال میں پڑا رہا اور اسکول سے اس کا کوئی ساتھی اس کی عیادت کے لیے بھی نہیں آیا، کیوں کہ اس کا رویہ ہی اپنے ساتھیوں کے ساتھ درست نہ تھا اور اسے اس کے رویہ کی وجہ سے کوئی پسند بھی نہ کرتا تھا، پھر اسے احساس ہونے لگا، لیکن جمیل نے دل بڑا کیا اور وہ ایک روز اسکول سے چھٹی ہونے کے بعد عقیل کی عیادت کرنے اس کے گھر گیا اور کچھ پھل فروٹ وغیرہ بھی ساتھ لے گیا۔ جمیل جیسے ہی اندر داخل ہوا تو عقیل بے اختیار رو پڑا اور جمیل سے کہنے لگا:
''میرے دوست مجھے معاف کر دو! میرے اندر بڑائی آ گئی تھی۔''

جمیل نے جواب دیتے ہوئے کہا: دوست! تمھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے، یہ بہت خوشی کی بات ہے۔ میرے دل میں تمہارے خلاف کوئی بات نہیں رہی، میں نے تمھیں معاف کیا۔ اس واقعے سے عقیل کو اچھا خاصا سبق حاصل ہو گیا تھا اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اب اس نعمت کا درست استعمال کرے گا۔

سبق مل گیا

امان اللہ بجیر

شہد کی مکھی

بنت مسعود احمد

پھولوں پر ہے یہ منڈلاتی
میلوں تک ہے اڑتی جاتی
محنت ہر دن یہ کرتی ہے
کاموں میں جت کر رہتی ہے
رکھتی ہے گھر ستھرا نکھرا
بالکل بھی نہ کرتی جھگڑا
پھولوں پر یہ بیٹھے جب جب
پی لے رس پھولوں کا تب تب
رس کو یہ ایسے پیتی ہیں
اک تھیلی میں بھر لیتی ہیں
چھتے میں ہیں لے کر آتیں
ساری لائن سے لگ جاتیں
چھتے کی اک ملکہ مکھی
دیکھے بھالے کام وہ سب ہی
رس بھرتی مومی خانوں میں
جو بنتے ہیں چھ کونوں میں
ہوتا ہے رس میٹھا میٹھا
رب کی قدرت سے یہ گاڑھا
اس میں رکھ دی ہے رب نے شفا
کھانے میں بھی ہے خوب مزا
ہے یہ اک ننھی سی مکھی
پر کتنی محنت ہے کرتی
سمجھو بچو تم یہ قصہ
ہو پیدا محنت کا جذبہ
بامقصد ہے قدرت رب کی
ہر شے میں ہے حکمت رب کی

خدمت

ماہم تنویس

پہاڑیوں کے دامن میں بسا ہوا چھوٹا سا گاؤں ”نور نگر“ ہمیشہ کی طرح ایک پُر سکون صبح سے جاگا۔ دور مشرق میں سورج کی پہلی کرن جب سبز کھیتوں پر پڑی تو یوں لگا جیسے سنہری روشنی کا قالین زمین پر بچھا دیا ہو۔ ہوا میں تازہ گھاس اور گیلی مٹی کی خوشبو گھلی ہوئی تھی۔ پرندے درختوں کی شاخوں پر بیٹھے اپنی میٹھی آوازوں سے صبح کی اذان دے رہے تھے۔

اسی گاؤں میں ایک نیک دل اور بہادر لڑکا حمزہ اپنی والدہ زینب خاتون کے ساتھ رہتا تھا۔ حمزہ کے والد کا انتقال اس کے بچپن میں ہو گیا تھا۔ اس کی والدہ زینب خاتون نرم دل، دعا گو اور نہایت محبت کرنے والی ماں تھیں۔ ان کا یقین تھا کہ اللہ کی حفاظت ہر وقت ان کے بیٹے کے ساتھ ہے اور حمزہ کو دل کی نرمی اور انسانیت اپنے والدین سے ورثے میں ملی تھی۔

اس دن حمزہ صبح سویرے کھیتوں کی طرف گیا۔ آسمان پر بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ دھوپ کبھی بادلوں کی اوٹ میں چھپتی اور کبھی چمک اٹھتی۔ گاؤں کی عورتیں کنویں سے پانی بھر رہی تھیں، بچے ہنستے کھیلتے بھاگ رہے تھے اور بیلوں کی گھنٹیاں دور سے خوب صورت موسیقی پیدا کر رہی تھیں۔

راستے میں اسے عاطف چاچا ملے۔ دونوں نے کھیتوں میں کام شروع کیا ہی تھا کہ اچانک آسمان نے اپنا رنگ بدل لیا۔ ہوا میں ٹھنڈک بڑھنے لگی، درخت زور سے ہلنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے تیز بارش برسنے لگی۔

بارش تیز تھی اور ندی کا بہاؤ خطرناک حد تک بڑھ چکا تھا۔

اسی دوران اچانک ایک چیخ سنائی دی۔

ایک چھوٹی سی بچی بارش میں پھسل کر ندی کے کنارے گر گئی تھی اور پانی اسے کھینچ رہا تھا۔

گاؤں والے گھبرا گئے۔ کوئی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ اتنے میں حمزہ بغیر سوچے دوڑا، تیز بارش اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی، مگر اس نے قدم نہیں روکے۔ وہ پانی کے قریب پہنچا اور پوری طاقت کے ساتھ جھک کر بچی کا ہاتھ پکڑا۔

پانی کا بہاؤ سخت تھا، مگر حمزہ نے ہمت نہ ہاری۔ اس نے پوری قوت سے جھٹکا دے کر بچی کو باہر نکال لیا۔

بچی کی ماں دوڑتی ہوئی آئی، اس نے بیٹی کو گلے لگایا اور روتے ہوئے حمزہ کو دعا دی:

”اللہ تمھیں ہمیشہ سلامت رکھے بیٹا! آج تم نے میری دنیا بچالی۔“

بارش تھمنے لگی تھی۔ آسمان پر ایک خوب صورت قوسِ قزح پھیل گئی۔ گاؤں والے حمزہ کے گرد جمع ہو گئے، سب اسے دعائیں دینے لگے۔ انھی لمحوں میں زینب خاتون وہاں پہنچیں۔ ان کی آنکھوں میں خوف، پریشانی اور محبت سب جمع تھے۔ انھوں نے حمزہ کو قابو میں لیا اور کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا:

”حمزہ بیٹا! اپنی جان خطرے میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر تمھیں کچھ ہو جاتا تو؟“

حمزہ ماں کے قریب ہوا، اس کے ہاتھ تھام کر ادب سے بولا:

”امی! آپ پریشان نہ ہوں۔ جب تک آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں، مجھے کچھ نہیں ہو سکتا اور پھر آپ ہی تو کہتی ہیں کہ دوسروں کی مدد کروں۔“ زینب خاتون کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

حمزہ نے آگے کہا:

”امی! میں نے یہ کام اس لیے بھی کیا کہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں دوسروں کی تکلیف دور کرنے کا حکم دیا ہے۔ امی! ایک حدیث سنیں۔“

ماں نے حیرانی سے پوچھا: ”کون سی حدیث بیٹا؟“

حمزہ نے ادب سے پوری حدیث سنائی:

”جس نے کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیف میں سے ایک تکلیف دور کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ایک تکلیف دور کرے گا۔ اور اللہ بندے کی مدد میں ہوتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔“ (صحیح مسلم)

زینب خاتون کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

انھوں نے حمزہ کو محبت سے گلے لگا کر کہا:

”بیٹا! اللہ تجھے ہمیشہ سلامت رکھے۔ تم نے نہ صرف کسی کی جان بچائی بلکہ سنتِ رسول ﷺ پر بھی عمل کیا۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر فخر کیا ہو سکتا ہے؟“

صدقہ کیا ہے؟

علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

صدقہ و خیرات در حقیقت وہ پانی ہے، جو دینے والوں کے قلوب و نفوس کے تمام میل اور گندے پن کو چھانٹ کر ان کو پاک و صاف بنا دیتا ہے، لیکن وہ خود جب اس میل اور گندے پن کو لے کر باہر نکلتا ہے تو حرص و طمع کے پیاسے اس کو چلو میں لے کر پینے لگتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: إِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ یہ صدقہ تو لوگوں کا میل ہے۔ اگر آج ان فقیروں اور گداگروں کی صورتوں اور سیرتوں پر نظر ڈالو، جو استحقاقِ شرعی کے بغیر اس مال سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو نظر آجائے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کو لوگوں کے دلوں کا میل کہہ کر کتنی بڑی حقیقت کو آشکار کیا۔

(سیرت النبی ﷺ، جلد 5، ص: 151)

رنگ پور ایک خوب صورت بستی تھی۔ اس بستی کی سب سے اچھی بات یہ تھی کہ وہاں لوگ مل جل کر رہتے تھے۔

بچے بڑوں کی عزّت کرتے تھے، بڑے چھوٹوں سے پیار و شفقت سے پیش آتے تھے اور سب اپنے ہمسایوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔

ایک دن اس بستی میں ایک کالا کتا آگیا۔ وہ غرّاتا تھا، دانت نکالتا تھا۔ بچے اس کی دُم پکڑ کر تنگ کرتے، کبھی اسے پتھر مارتے تو کبھی وہ بھی غصّے میں انھیں پنجا مار دیتا۔

ایک روز تِلو موچی نے یہ منظر دیکھا۔ وہ بچوں پر ناراض ہوا اور بولا: ”یہ بے زبان جانور ہے، اسے مت ستاؤ!“

تِلو موچی نے کتے کو کھانا دیا، پھر کیا تھا۔۔۔ کتّا اسے اپنا دوست سمجھنے لگا۔ اب وہ روز اس کے پاس بیٹھا رہتا۔

تِلو موچی کا ہنر: تِلو موچی رنگ پور کا سب سے اچھا موچی تھا۔ وہ پرانے، پھٹے ہوئے جوتے بھی ایسے ٹھیک کرتا کہ بالکل نئے لگتے۔

اس کے پاس ایک بڑا سا لکڑی کا صندوق تھا، جس میں وہ اپنا سامان رکھتا۔ دھوپ سے بچنے کے لیے اس نے اوپر ایک پرانی چادر تان رکھی تھی۔

وہ صبح سویرے آتا اور شام کو گھر لوٹ جاتا۔ جو اُجرت ملتی، صبر و شکر سے گزارا کرتا، لیکن اس کی بیوی اکثر ناراض رہتی تھی، کیوں کہ وہ چاہتی تھی کہ ان کے دونوں چھوٹے بیٹے پڑھ لکھ کر افسر بنیں۔

سنہری انگوٹھی: ایک دن ایک آدمی تِلو موچی کے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پھٹا ہوا تھیلا تھا۔ اس نے کہا: ”موچی بھائی! یہ تھیلا سی دیں۔“ تِلو موچی نے تھیلا اپنے صندوق میں رکھ دیا۔ اگلے دن جب اس نے تھیلا نکالا تو اس کی جیب میں سے ایک سونے کی انگوٹھی نکلی! وہ حیران رہ گیا۔

”تھیلا تو خالی تھا۔ یہ انگوٹھی کہاں سے آئی؟“ پہلے تو اس نے سوچا کہ مالک کو واپس کر دوں۔ مگر پھر دل میں خیال آیا کہ ”اگر یہ انگوٹھی رکھ لوں۔۔۔ تو گھر کی غربت دور ہو جائے گی۔ بیٹا بیمار ہے، بچوں کو اسکول بھیجنا ہے۔“ وہ سوچ میں ڈوب گیا۔

ایمان کی آزمائش: تِلو موچی انگوٹھی جیب میں ڈال کر سنار کے پاس گیا۔

”بھائی! یہ انگوٹھی کتنے کی ہو گی؟“ سنار نے غور سے انگوٹھی دیکھ کر کہا:

”ارے یہ تو بہت قیمتی ہے! مگر۔۔۔ یہ انگوٹھی تو حاجی صاحب کی ہے۔ کل ہی انھوں نے بتایا تھا کہ کہیں کھو گئی ہے۔“ یہ سنتے ہی تِلو موچی کا دل دھڑک اُٹھا۔ پسینہ اس کی پیشانی پر آگیا۔

”اگر یہ حاجی صاحب کی ہے۔۔۔ تو مجھے فوراً لوٹا دینی چاہیے!“

تِلو موچی فوراً حاجی صاحب کے گھر گیا۔ انگوٹھی ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا: ”یہ آپ کی امانت ہے۔ غلطی سے میرے پاس آگئی تھی۔“ حاجی صاحب کی آنکھوں میں خوشی آگئی۔

”بیٹا! تم نے سچائی دکھائی ہے۔ آج کل تم جیسے سچے آدمی کم ملتے ہیں!“ حاجی صاحب نے اسے انگوٹھی لینے سے بھی زیادہ قیمتی چیز دی۔۔۔ ایک باعزّت نوکری اور بچوں کی تعلیم کا خرچ۔

انجام اور سبق: اب تِلو موچی کے گھر میں خوشحالی آگئی تھی۔

اس کے بیٹے اسکول جانے لگے، بیوی کی ناراضی دور ہو گئی اور کتّا پہلے کی طرح اس کا ساتھی رہا۔

رنگ پور کے لوگ آج تک بچوں کو مثالی کہانی سناتے ہیں: ”امانت لوٹانے سے انسان چھوٹا نہیں ہوتا، بلکہ اللہ اسے اور بڑا کر دیتا ہے۔“

سوچ تبدیل کریں

مریم رضوان

دیوارِ حیات ایک اور گر گئی! — ناداں کہہ رہے ہیں، نیا سال مبارک

وقت کی ساعتیں خاموشی سے ایک اور سال کو ہمارے ہاتھوں سے پھسلا دیتی ہیں۔ پرانا سال اپنے ساتھ یادیں، سبق اور کچھ ادھورے خواب سمیٹ کر رخصت ہو جاتا ہے اور نیا سال ایک خالی صفحے کی طرح ہمارے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ نیا سال محض تاریخوں کی تبدیلی نہیں، بلکہ اپنے آپ سے ایک نیا معاہدہ کرنے کا موقع ہے۔

ہر آنے والا دن ہمارے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے اور ہمیں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ ہم ہر دن کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہماری زندگی کا اصل مقصد یہ ہے کہ حیاتِ مستعار کے ہر قیمتی لمحے کو ربِّ کریم کی رضا کے مطابق گزارا جائے۔ نئے سال کے آغاز پر مبارک باد دینے کی شرعی حیثیت سے قطعِ نظر، اصل توجہ اس بات پر ہونی چاہیے کہ ہم نے گزشتہ سال کیا کھویا اور آنے والے سال کے لیے کیا پانے کا عزم کیا ہے؟

اگر یہ زندگی مجھے عطا کی گئی ہے تو اسے بامقصد اور قیمتی بنانا بھی میری ہی ذمہ داری ہے۔ کسی صاحبِ فکر نے خوب کہا ہے: ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم — چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم

جس طرح برف ہر لمحہ پگھلتی چلی جاتی ہے، اسی طرح انسان کی عمر بھی خاموشی سے گھٹتی جا رہی ہے۔ زندگی کا ایک سال گزر جانا ہمیں یہ یاد دہانی کراتا ہے کہ ہم موت سے ایک قدم اور قریب ہو چکے ہیں۔ ایک دن ہمیں اپنے رب کے حضور جواب دہ ہونا ہے، اسی لیے فرائض اور حقوق ادا کرنے میں مزید ہمت، اخلاص اور ذمے داری کی ضرورت ہے اور گزشتہ غلطیوں سے سبق سیکھ کر بہتری کی راہ اختیار کرنا لازم ہے۔ زندگی کے کتنے سال گزر گئے اور ہم نے اب تک کیا حاصل کیا؟ جہاں تک پہنچنا تھا وہاں تک پہنچ گئے یا ابھی بھی منزل سے دور ہیں؟

اگر منزل کی موافق سمت چال ہے تو پھر ٹھیک ہے، لیکن اگر منزل کی مخالف سمت چال ہے تو یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ اگر یہ نیا سال، اپنے 365 دنوں اور 52 ہفتوں سمیت، لمحوں میں گزر گیا اور ہم وہیں کے وہیں کھڑے رہے جہاں پہلے تھے، تو کیا محض مبارک باد ہمارے کسی کام آ سکے گی؟ نئے سال کے آغاز پر خلوت میں بیٹھ کر ہمیں خود سے یہ سوال ضرور کرنا چاہیے۔

کچھ لوگ نیا سال گانا بجانا، پٹاخے اور مختلف رسموں سے شروع کرتے ہیں، جبکہ اہلِ فکر کے لیے بہتر یہی ہے کہ سال کا آغاز عبادت، شکر اور رجوع الی اللہ سے ہو۔ نئے سال کا آغاز نمازِ تہجد، فجر، تلاوت، تسبیح اور صدقہ سے کر کے دیکھیں۔ اس کا الگ ہی لطف ہے!

آخر میں بس اتنا ہی کہنا کافی ہے: ہمیں چاہیے خود کو تبدیل کریں، سوچ اور رویّہ تبدیل کریں۔ سال تو ہر سال بدلتا ہے۔

بچوں کے فن پارے

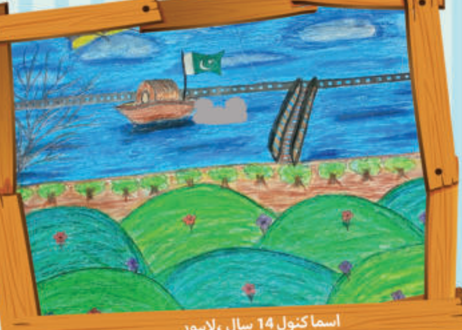

اسما کنول 14 سال ،لاہور

انس عبد اللہ لاہور

سبیحہ یونس ،11 سال لاہور

حائقہ 13 سال لاہور

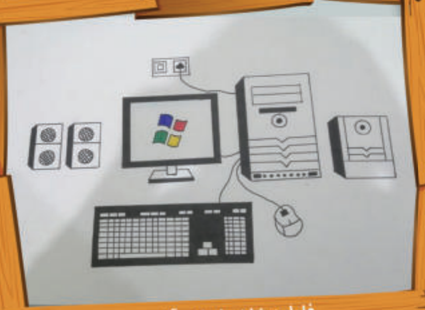

فاطمہ خان ، اسلام آباد

فاطمہ 13 سال ، اسلام آباد

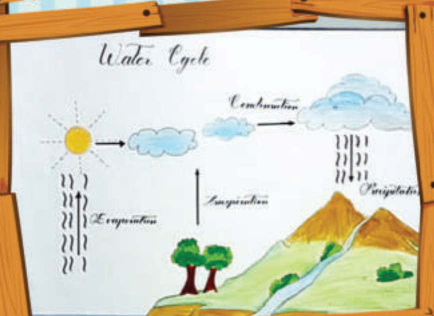

محمد اسامہ 13 سال لاہور

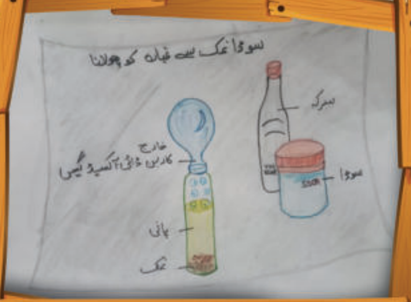

ماریہ جبران کراچی

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ کراچی سے **عائشہ منہاج** کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

ماہنامہ فہم دین جنوری 2026ء کے سوالات

سوال 1: شعر مکمل کریں: کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے

زور بازو کا

سوال 2: مونا کی عمر کیا تھی؟

سوال 3: وزیرستان میں آپریشن کا نگران کون تھا؟

سوال 4: احمد کی چھوٹی بہن کا نام کیا تھا؟

سوال 5: کرنل شیر خان کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟

یہ سوالات دسمبر 2025 کے فہم دین سے لیے گئے ہیں۔
جوابات کی آخری تاریخ 15 جنوری 2025ء ہے

دسمبر 2025ء کے سوالات کے جوابات

1-: ثوبان طاہر

2- قرآنی تربیت

3- آٹھ سال

4- گرمی کے بعد

5- غصہ

چھوٹی بات بڑا پیغام

نیا سال—نیا آغاز

لوگ نئے سال کا بڑی بے صبری اور بے تابی سے انتظار کرتے ہیں، لیکن کوشش کرنے، محنت کی طرف توجہ بالکل نہیں دیتے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ نیا سال ایک طرح نئی ڈائری نئی کاپی کی طرح ہوتا ہے۔ اس ڈائری میں اور اس کاپی میں جو ہم لکھ دیں وہی لکھا رہے گا، سمجھنے کی بات یہ ہے کہ نیا سال بھی ہمیں ایک موقع دیتا ہے کہ ہم اپنی غلطیاں چھوڑ کر اچھی عادتوں کے ساتھ دوبارہ شروع کریں۔

ہم اگر چاہیں تو نئے سال میں چند چھوٹے وعدے کر سکتے ہیں: وقت پر جاگنا، صاف ستھرا رہنا، بڑوں کی بات ماننا اور روزانہ ایک اچھی بات کرنا۔ نئی چیزیں سیکھنے، قرآن پڑھنے اور دوسروں کی مدد کرنے سے دل بھی روشن ہوتا ہے اور گھر کا ماحول بھی خوشگوار رہتا ہے۔

نئے سال کی خوشی منانا اہم نہیں اہم تو اپنی عادات مزاج میں بہتری لانا ہے، شکر گزاری پیدا کرنا اور محنت کی عادت پیدا کرنا ہے۔ آیئے ہم وعدہ کریں کہ نئے سال کی خوشی منانے تک اکتفا نہیں کریں گے بلکہ اپنی عادات کو بہتر بنائیں گے۔ دوسروں کے کام آئیں، بری عادات چھوڑیں گے۔

دسمبر 2025ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر چترال سے ذکرہ اسماعیل انعام کی حق دار ٹھہری ہیں۔ انھیں 300 روپے مبارک ہوں

سنیے!!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجنا ہوں یا فن پارہ، اپنا نام، عمر، کلاس اسکول/مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔ جوابات اور فن پارہ بھیجنے کے لیے ای میل اور وٹس ایپ نمبر نوٹ کر لیں:
tabeer1387@gmail.com
+923351135011

کل نفس ذائقۃ الموت

حافظ وسطیٰ چودھری

تو جو بھی بنا لے، تو جو بھی کما لے
تو جتنی بھی خوابوں کی دنیا بسا لے

یہ منصب، معیشت، سیاست، حکومت
اگرچہ ہو سب کچھ ہی تیرے حوالے

تجھے نام رتبہ ہو جتنا بھی پیارا
نہ دبنا نہ جھکنا ہو تجھ کو گوارا

تو سمجھے کہ دنیا ہے مٹھی میں تیرے
کبھی بھی کسی موڑ پر ہو نہ ہارا

زمانے کو دیکھے تو اپنی نظر سے
حقارت کے چشمے سے اور مال و زر سے

الگ ہو تخیل، تصور انوکھا
نمایاں ہو سب میں تو اپنے ہنر سے

ہاں چاہے تو ہر آنکھ کا بھی ہو تارا
نہ ہوتا ہو تجھ بن کسی کا گزارا

تبسم، تکلم، ترا محفلِ جاں
مقابل تجھے ہو نہ کوئی گوارا

تو سمجھے کہ کوئی بھی تجھ سا نہیں ہے
ذہیں بھی نہیں اور حسیں بھی نہیں ہے

نفاست، نزاکت، سلیقہ، طریقہ
ترا سب سے اعلیٰ ہے اور دل نشیں ہے

اکڑ بھی ہو تجھ میں، تو مشہور بھی ہو
نشے میں تکبر کے مغرور بھی ہو

ملی تجھ کو شہرت ہو، عزت ہمیشہ
انہی چاہتوں پر تو مسرور بھی ہو

سمجھتا ہے سب کچھ یہ دائم رہے گا؟
ہمیشہ ترا نام قائم رہے گا؟

نہیں، دنیا تیرا ٹھکانا نہیں ہے
یہ کچھ بھی ترے کام آنا نہیں ہے

تری آنکھ سے موت آنکھیں ملا کر
نشاں ایک لمحے میں تیرا مٹا کر

بتا دے گی وُسطیٰ کہ سب کو فنا ہے
جسے بس بقا ہے، وہ نامِ خدا ہے

اے پیارے جامعہ

حافظ سویرا چودھری

اے پیارے جامعہ! تیری جدائی کو ہے اب سہنا
بہت دشوار ہے واللہ! خدا حافظ تجھے کہنا

ترے دامن میں ہم نے زندگی کے دن گزارے ہیں
یہاں بیتے حسیں لمحے، ہمیں بے حد پیارے ہیں

ہنر جینے کے بتلائے، ادب ہم کو سکھایا ہے
دِیا امید کا تاریک راہوں میں جلایا ہے

مگر فرقت کی یہ گھڑیاں جواب نزدیک آتی ہیں
جگر کو کاٹ دیتی ہیں، یہ دل کو چیر جاتی ہیں

اے پیارے جامعہ! تیری جدائی کو ہے اب سہنا
بہت دشوار ہے واللہ! خدا حافظ تجھے کہنا

ترا احسان ہے ہم پر، جو پایا حق کا ہے رستہ
ترے ہر ایک گوشے سے ہماری یاد وابستہ

کبھی تکرار کی خاطر، چمن کی سمت بڑھتے تھے
کبھی ہنستے، کبھی روتے، کبھی آپس میں لڑتے تھے

کتابیں ہاتھ میں لے کر وہاں جانا، یہاں آنا
نہ آتا تھا گماں میں بھی، کبھی تجھ سے بچھڑ جانا

اے پیارے جامعہ! تیری جدائی کو ہے اب سہنا
بہت دشوار ہے واللہ! خدا حافظ تجھے کہنا

ترے موسم سنہرے ہیں، ترے آنگن میں راحت ہے
تری اِن درس گاہوں سے، ہمیں الفت ہے چاہت ہے

درودیوار یہ تیرے، کہاں ہم بھول پائیں گے؟
تری شفقت، محبت کو، دلوں میں لے کے جائیں گے

سدا مہکے ترا گلشن، ترا ہر دور اعلیٰ ہو
مقدر شادمانی ہو، سویرا اور اجالا ہو

اے پیارے جامعہ! تیری جدائی کو ہے اب سہنا
بہت دشوار ہے واللہ! خدا حافظ تجھے کہنا

قلم پارے

ترتیب: محمود سیماب

مختصر و پر اثر تحریروں کا سلسلہ، ہر ماہ ایک منتخب قلم پارے پر تین سو روپے انعام دیا جاتا ہے، جنوری میں آمنہ سردار کی تحریر ''تربیت'' انعام کے لیے منتخب ہوئی ہے۔

بندگی کی تکمیل

بنت مسعود احمد

دل اس منزل کا راہی۔۔۔ جس راہگزر پر سوائے کانٹوں اور خشک پتوں کے کچھ نہیں اور تمنائی وہ گلستاں کا۔

یوں جیسے کوئی آنکھ والا بینائی کا خواب دیکھے جسے کچھ دکھائی نہ دے۔

حالات ہمیشہ خوابوں کے تابع نہیں ہوتے بلکہ یہ تو قسمت سے منتھی ہوتے ہیں۔ جس کا حال اور چال کسی کے بس میں نہیں۔۔۔

مگر کوشش اور دعا گر ہمسفر ہو۔۔

تو خوابوں کی تکمیل ہو بھی جاتی ہے۔۔

اور ادھورے خوابوں پر مایوسی کا واویلا نہ ہو تو پھر دل کی جھولی میں رب کی رضا سمٹ کر بندگی کی تکمیل کر جاتی ہے۔

تربیت

آمنہ سردار

وہ جلدی جلدی گھر کے کام نمٹا رہی تھی مگر زوار، بار بار پلو کھینچ کر اسے پریشان کر رہا تھا۔ آخر کار اس نے موبائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، «جا کر کارٹون لگالو۔»

زوار خوشی سے بھاگ گیا اور وہ سکون کا سانس لے کر اپنے کام کی طرف متوجہ ہوئی۔ گھر پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کے بعد وہ کمرے کے دروازے پر پہنچی تو گویا کہ اس کی سانس رک گئی۔ زوار انڈین کارٹون کا منظر دہرا رہا تھا۔

''بیٹا! یہ کیا؟''

''ماما، عبادت کر رہا ہوں، کارٹون میں بھی ایسے ہی ہو رہی تھی۔'' یہ سن کر اسے ندامت نے گھیر لیا کہ گھر سنوارنے سے زیادہ ضروری بچے کی تربیت تھی، جسے وہ نظر انداز کرتی رہی تھی۔

تاجروں کی رہنمائی

انتخاب: محمودہ سلیمان

حضرت قیس بن ابی غرزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم بازار میں (تجارت کر رہے) تھے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا، ''اس بازار میں فضول باتوں اور جھوٹ کی آمیزش ہوتی رہتی ہے، لہٰذا صدقہ کرتے رہو۔'' (سنن نسائی 3830)

ملاحظہ: آپ ﷺ نے کئی مرتبہ تاجروں کو سچی اور سیدھی بات کہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ تاہم پھر بھی بازار کا معاملہ لغو اور جھوٹ سے پاک نہیں رہتا، اور یہاں آپ ﷺ نے اسی کی طرف توجہ دلائی ہے، اور بے خبری میں سرزد ہونے والی غلط باتوں کی پکڑ سے بچنے کیلئے صدقہ پر زور دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں عمل والا بنادے۔ آمین۔

دنیا اور ہمارے دُکھ

عذرا خالد

دنیا کو ہمارے دکھوں اور تکلیفوں سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا، اس لیے:

☆ اگر ہم بیمار ہیں تو بیماری کو اپنے چہرے اور رویّے پر حاوی نہ ہونے دیں۔

☆ کسی کام میں ناکامی ہوئی ہے تو وہ ہمارے حلیے اور اعتماد کو کمزور نہ کرے۔

☆ تعلیم کم ہو تب بھی گفتگو، سلیقہ اور وقار ہماری پہچان ہونے چاہییں۔

☆ آمدنی کم ہے تو غربت ہماری شکل وصورت اور اندازِ زندگی سے ظاہر نہیں ہونی چاہیے۔

☆ اگر کسی خوف کا سامنا ہے تو خوف ہماری آواز، آنکھوں اور شخصیت میں جھلکنے نہ پائے۔

☆ خودداری اور اعتماد کے ساتھ جینا سیکھ لیا جائے تو زندگی بہتر گزرتی ہے۔

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ کئی لوگ ہماری کمزوری دیکھ کر ہی جیتے جی دفن کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

منتخب اشعار

انتخاب: فہیمہ یونس حیدر آباد

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا
(شیخ محمد ابراہیم ذوق)

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا
(رعنا اکبر آبادی)

سیر کی، خوب پھرے، پھول چنے، شاد رہے
باغباں جاتے ہیں گلشن تیرا آباد رہے
(رند لکھنوی)

اب جوانی کو رو رہے ہو ریاض
قدرِ نعمت ہوئی زوال کے بعد
(ریاض خیر آبادی)

تعارف روگ بن جائے تو اس کو بھولنا بہتر
تعلق بوجھ بن جائے تو اس کو توڑنا بہتر
(ساحر لدھیانوی)

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک
تن درستی ہزار نعمت ہے
(سالک دہلوی)

جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جائے وہ لوگ
آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں مگر ایسے بھی ہیں
(سرور بارہ بنکوی)

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
سوزن تدبیر گو ساری عمر سیتی رہے
(مرزا رفیع سودا)

کہانی میری رودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے اسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے
(سیماب اکبر آبادی)

ہمارے ہاں کی سیاست کا حال مت پوچھو
گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں
(شاد عارفی)

شمائل نبوی

انتخاب: محمودہ نسیم

☆آپ ﷺ اچانک گھر تشریف نہ لاتے بلکہ پہلے سے اطلاع فرماتے، گھر داخل ہو کر سلام فرماتے، گھریلو کاموں میں حصہ لیتے حتیٰ کہ معمولی کام صفائی، دودھ نکالنا، جوتا سینا وغیرہ

☆☆آپ ﷺ ہمیشہ مسکراتے دکھائی دیتے، آپ ﷺ نرم خو (نرم رویہ رکھنے والے) اور نیک دل (نیت صاف) واقع ہوئے۔

☆☆☆آپ ﷺ دوسروں کی غلطیوں سے در گزر فرماتے اور بد سلوکی کرنے والے سے بھی نیک سلوک فرماتے۔

☆☆☆☆آپ ﷺ اپنی ذات کے لیے کبھی ناراض نہ ہوتے اور نہ انتقام لیتے، دنیا کے امور کی وجہ سے غصہ نہ فرماتے البتہ حق سے تجاوز ہوتا تو بدلہ لینے سے روکنے والی کوئی چیز نہ ہوتی۔

تربیت کا ایک انداز

محب اللہ کراچی

بچہ اسکول جا رہا ہو تو اس کے ٹفن میں کھانے کی چیزیں دگنی رکھیں اور کہیں: ایک تمہارے لیے ہے اور ایک تمہارے سب سے اچھے دوست کے لیے اس طرح بچہ محبت اور احسان کا سبق سیکھے گا. بچہ گھر واپس آئے تو اسے بتائیں کہ اس کے آنے سے گھر کی رونق بڑھ جاتی ہے. اس طرح اسے اپنی قدر و قیمت کا اندازہ ہوگا. اور اس سے پوچھیں: آج کیا کچھ کیا؟ اس طرح اسے اچھے برے کی تمیز ہوگی اور پھر وہ بغیر پوچھے آپ کو بتائے گا. تربیت ایک سادہ عمل ہے، لمبی چوڑی تقریر کرنے کا نام تربیت نہیں۔

مجھے معلوم نہیں

انتخاب: محمد زمان فیصل آباد

ہر معاملے میں ہم کوئی موقف ضرور دیں۔ ہر سوال کا جواب ہمارے پاس ضرور ہو۔
ہم اپنے شعبے میں تمام تر رموز سے واقف ہوں۔
کتنی خوب صورت ہے یہ بات: ”مجھے نہیں معلوم۔“
کتنا دل نشیں ہے یہ جملہ: ”یہ میرے دائرہ کار سے باہر ہے۔“
اور کتنا اطمینان ہے اس اقرار میں: ”یہ مسئلہ میرے شعبے سے متعلق نہیں۔“
انسان کی عظمت اُس کی حقیقت پسندی میں ہے، اپنی حدود کو پہچاننے میں ہے اور یہ جاننے میں ہے کہ وہ کہاں کھڑا ہے اور کب رکنا چاہیے۔

تین کی پہچان تین سے

فریحہ عنبرین

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تین لوگوں کی پہچان تین جگہوں پر ہوتی ہے۔
بہادر آدمی کی بہادری میدان جنگ میں جانی جاتی ہے۔ کسی انسان کا حلم اور بردباری غصے کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ دوست کی پہچان ضرورت کے وقت میں ہوتی ہے۔

اہلِ خیر کے لیے بہترین موقع

تحریر: خالد معین

ماشاءاللہ بیت السلام ویلفئیر ٹرسٹ میں آج کل رمضان کی تیاری کا خوب اہتمام ہو رہا ہے۔ملک بھر میں بیت السلام کے ذیلی دفاتر، بنیادی تعلیمی مراکز ضرورت مندوں میں رکھی فہرستوں کو تازہ کر رہے ہیں، ایسے سفید پوش گھرانے جو کمر توڑ مہنگائی کے ہاتھوں پریشان ہیں، ایسے گھرانے جن کا کوئی کفیل نہیں ،ایسے گھرانے جو شہر سے دور پس ماندہ بستیوں میں ہیں، بیت السلام ہر سال رمضان میں ایسے ہزاروں گھرانوں کو رمضان میں راشن فراہم کرتا ہے اور بہت سے گھرانوں کو مالی امداد بھی دی جاتی ہے۔اس کے علاوہ ہر سال لاکھ سوا لاکھ افراد کے لیے سحری افطاری کا انتظام ہوتا ہے۔ملک بھر میں ہزاروں گھرانوں کو سحری افطاری کے لیے مالی تعاون بھی کیا جاتا ہے۔نہ صرف رمضان بلکہ عید کی خوشیوں کا سامان فراہم کرنے میں بھی بیت السلام یتیموں بیواؤں اور بے کس ضرورت مند گھرانوں کی کفالت کے انتظامات کرتا ہے۔بیت السلام کے کئی شعبے اِن دنوں انہی مصروفیات کی انجام دہی میں مشغول ہیں۔

رمضان سے پہلے رمضان کی تیاری تو ہر شخص کسی نہ کسی درجے اور طریقے میں کرتا ہی ہے، یقیناً اہلِ خیر کے لیے بہت بہترین موقع ہے۔جہاں اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کے لیے انتظامات کرتے ہیں اپنے ساتھ ان ضرورت مندوں کا بھی خیال رکھیں۔سحری افطاری، راشن فراہمی، عید کی خوشیوں میں بھی ان ضرورت مندوں کو شریک کریں۔اللہ تعالیٰ تمام کی مالی بدنی اور قولی ہر قسم کی عبادات قبول فرمائیں اور اپنی خاص جناب سے اجر عظیم عطا فرمائیں۔

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

سستی روٹی
پراجیکٹ

لاکھوں روٹیاں مستحقین تک

5 روپیہ

صرف عزت نفس کی خاطر

سپر فائن آٹا براہ راست بیت السلام ویئر ہاؤس بھی پہنچا سکتے ہیں کم سے کم 50 کلو

J.
FRAGRANCES
JANAN
Oud
JANAN
Oud
J.
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
J.Fragrances.Cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed